کلیاتِ اکبر

حصّہ چہارم

از

لسان العصر سیّد اکبر حسین

اکبر الٰہ آبادی

رحمۃ اللہ

کتابستان

کراچی و الٰہ آباد

پہلی بار ۱۹۴۸ء

قیمت چھ روپیہ

مطبوعہ سول اینڈ ملٹری پریس، کراچی

کُلیّات اکبر (حصّہ چہارم) کے لئے ناشرین کا نوٹ

حضرت اکبر الٰہ آبادی کے الہامات شعری کے تین مجموعے اس سے قبل خود جناب مُصنّف کے حین حیات اور بعد میں متعدد بار شائع ہو چکے ہیں۔ تیسرے حصّے کے شیوع کے بعد بھی لسان العصر کے زرّیں کلام کا ایک معتدبہ حصہ ایسا باقی رہ گیا تھا، جو اب تک کہیں اور کبھی طبع اور شائع نہیں ہوا۔ یہ ذخیرہ اس شاعر اکبر کے آخری الہامات میں سے ہے، ان کے شُستہ و پاکیزہ مطایبات، عصریات اور ملک و قوم کے نفسیات اور کیفیات کا آئینہ دار ہے۔ اور اپنے ماقبل کی تکمیل کرتا ہے۔

یہ مجموعہ ایک طرف اس شاعر کے زرّیں خیالات و آراء کے ارتقاء کا پتا دیتا ہے، اور دوسری جانب ملک ہند اور اقوام ہند کی سرعت سے بدلتی ہوئی دماغی، ذہنی، سیاسی، معاشری، دینی کیفیات کی تشخیص اور نبض شناسی کرتا ہے۔ گویا ایک جام ہند نما ہے!

جاں را ز نکتہ ہائے خوشش انبساط باد!

ناشرین

بسم اللہ

کلیات اکبر

حصہ چہارم

ردیف الف

اس طرف سے آپ کا رستا چھٹا
خیر اک رپیہ میں میں سستا چھٹا

گرو کوئی نہ رہا ان مہاتما کے سوا
سب ان کے چیلے ہیں اب آلِ فاطمہ کے سوا

واعظ بنا وہ اس کا، پیرو ہوا یہ اُس کا
اس نے خدا کو جانا، اُس نے خدا کو مانا

شانۂ حرف و معانی سے جو سلجھا دل مرا
صنعت و ترکیب و صورت میں نہ اُلجھا دل مرا

تم نے دبا دبا کر اس ملک کو گھلایا
مرزا اچک گئے اور گاندھی نے منہ پھُلایا

چھوڑ کر مجوسی کرے بکری جو اصلاحِ غذا
گرگ کے پنجے سے جب بھی ہو نہیں سکتی رہا

کہہ ہو بہ جیسے کوئی پیشِ حق ہو تو کتنا بڑا
سب سے چھوٹا ایک کا ٹکڑا جو ہو اتنا بڑا

پیام اسے مؤمنِ مسلم کو تم بھیجو مودّت کا
اب ان کی بزم میں بھی آگیا رونا خلافت کا

آپ نے خود ہی کیے ایسے نتائج پیدا
ذلت آگیں ہوئے جن سے یہ حوائج پیدا

پتلون کے بٹن سے دھوتی کا پیچ اچھا
دونوں سے وہ جو سمجھے دنیا کو ہیچ اچھا

مغربی مقصود حاصل بے تردّد ہو گیا
ہند نے اتنی ترقی کی کہ بے خود ہو گیا

ان طریقوں سے امیدِ خیر کیا
رہ کے دریا میں مگر سے بیر کیا

عیار چاہتا ہے دنیا کو مار لینا
عمامہ چھین لینا، پگڑی اتار لینا

گنگو نے لی ہیں لہریں پیرو نے پر میں ٹھاٹھے
جذبوں کو بھی ہے لازم تسخیر گھمار لینا

دین خدا کا لیکن منشا یہی ہے اکبر
سختی پہ صبر کرنا، دل کو سنوار لینا

ہم سے سکونِ خاطر یک لخت چھن گیا
تقاضے کا اک سپاہی ہم سب کو گن گیا

قوم سے دوری ہی حاصل جب آخر ہو گیا
تن کی کیا پرواہ جب آدمی ستر ہو گیا

رنگِ دنیا دیکھ کر بے چارہ اکبر ڈر گیا
پندِ واعظ مان لی مرنے سے پہلے مر گیا

آفتابِ اوجِ عرفاں دل کا مرکز ہو گیا
ہوشِ کلی ہوشِ شخصی سے ممیز ہو گیا

گو طبع کو پہنچتا ہے دعویٰ بساط کا
لیکن خیال چاہیے اپنی بساط کا

برا ہے دشمنوں کو ووٹ ہو کر متفق دینا
بہت بیجا ہے بابو کے لیے صاحب کو دق دینا

طرزِ غربی کو جو ہم نے دل کا مالک کر دیا
نور افشاں قوتوں نے اسٹرائک کر دیا

مل نہ سکتی ممبری جو جیل ہی کو جھیلتا
بے سکت ہوں ورنہ کوئی کھیل میں بھی کھیلتا

اگرچہ ہے آتشی مشینوں سے فتحیابی کا سہل ہونا
خدا پرستی ہی میں مسلّم ہے حکمرانی کا اہل ہونا

اب کسی جا قدم نہیں تھمتا
دل کسی بات پر نہیں جمتا

جہاں ادراک ہے بے ہوش اُس عالم کا کیا کہنا
صدائے اللہ اللہ اور نفی دائم کا کیا کہنا

ہمارے دوست ہیں سنہا، ہمارے لارڈ ہیں تہا
ہماری طبع ساتھ ان کے ہے ظاہر ہا و باطن ہا

دل نے کہا کہ گاڈ ہے پوچھا جب اس سے گاڈ کیا
اُٹھیں تو ان کا جال ہے بیٹھ رہیں تو کھائیں کیا

عجب شوکت برادر پر ہے طعنہ حریفوں کا
جو دوں طینت ہیں کیا جانیں وہ راز دل شریفوں کا

طلب ہے دل کو جب اس کی جبیں تو ہو ہی گا
خبر نہیں وہ کہاں ہے کہیں تو ہو ہی گا

جسے ہے کچھ سمجھ نیچر کا دشمن ہو نہیں سکتا
زر لیوشن سے تن کا آپریشن ہو نہیں سکتا

مرزا غالب بہت ہے گفتگو (تن کو پریشن) کا
ہے مشکل ہی اثر ان پر ہو (تن کو آپریشن) کا

جہاں دیکھو اک جانماز اور لوٹا
انجن کی طرف اس زمانے میں لوٹا

رفو کو ڈاک گھر کا بابو بنا کے چھوڑا
کونسل نے راجہ کو بھی بابو بنا کے چھوڑا

نہیں کہتا کہ چھوڑو شغلِ ملکی دردمندی کا
بس اک نظارہ کر تو آکے شملہ کی بلندی کا

کمپو کا جو ہو مار تو گھر اس کا سٹے گا
بنگلے میں ہو تم اور وہ محلے میں پٹے گا

نسخہ تو ہاتھ لگا ڈاکٹر انصاری کا
باندھ دے ٹھیک یہ اب کام ہی پنساری کا

کیا نقل کتب سے حاصل اے شیخ
سب کچھ ثابت ہو پھر تمھیں کیا

آپ کیا پوچھتے ہیں مجھ سے کہ خدا ہے کہ نہیں
علم بالفعل کا مجھ کو نہیں سابق میں تو تھا

کعبے والوں پہ لگتے ہیں الزام
اب حرم مرحبا کا عکس بنا

ظرافت

فتنہ ہونا بھی ہے مذہب میں بڑی چیز اکبر
بے نمازوں کو بھی دعویٰ ہے مسلمانی کا

جو صرف ذہن میں اُس کی فضولیاں کھپیں
تو صدق دعوئ تقویٰ میں شک ہوا پیدا

کمزوری میری صحت بھی کمزوری میری بیماری بھی
اچھا جو رہا کچھ کر نہ سکا بیمار پڑا تو مر نہ سکا

ہوس یا رشک یا غصے سے جو طاقت ہوئی اکبر
وہ اخلاقی نہیں ہے کہ بہت کم اعتبار اس کا

مراد بھی ملی ہمدرد بھی ہوئے مشہور
شریک ماتم اکبر ہوئے یہ خوب کیا

حسن بت دیر میں کھینچے لیے جاتا ہے انھیں
کیا نتیجہ ہے برہمن سے کھنچے رہنے کا

رو رہے ہیں یہ کہہ کے کالے خاں
رنگ گورا ہے اب زمانے کا

اس وقت کہہ رہے ہیں مچھر کی کیا حقیقت
جب ناک میں گھسے گا اُس وقت دیکھیے گا

زبانیں خوب کھلتی ہیں مگر قسمت نہیں کھلتی
سبب یہ ہے کہ اٹھتا ہے قلم ہاتھ اٹھ نہیں سکتا

پینے ہی کے واسطے ہے بادۂ صافی کی قید
شرط کھانے میں نہیں جو کچھ ملا وہ کھا لیا

ہمیشہ دشمن شیطاں رہا وہ اب بھی ہے
صریح ظلم ہے اکبر سے بدگماں ہونا

مذاق عارفانہ مغربی حلقوں سے عنقا ہے
اثر کیا ذکر ہی غائب ہے روحانی ترقی کا

پہلے تھے سب جج ہوئے اب جج حضور
پہلے تھے سب سے ملے اب ہوئے سب سے جدا

اورنگ زیب کی نہ رہی بُو تو دیکھیے
انگریز کا ظہور ہوا نقش جم گیا

وہ جو ممبر ہوگا چڑھنے کے لیے لپکیں گے لوگ
خوب مونڈیں گے اُسے صاحب جو سر ہو جائے گا

خادم نے پیسہ پایا تو کرنے لگا وہ کام
بُدّو کو زر ملا تو وہ مزدور ہو گیا

نہ پوچھ میرے مصائب کو مختصر یہ ہے
ثواب پاؤں گا میں خودکشی نہ کرنے کا

رُباعیّات

نہ راجگی کا مجھے شوق ہے نہ شاہی کا
اگرچہ میں بھی ہوں طالب مگر خدا ہی کا
یہ وعظ مغرب اور اس کا اثر یہ ملّت پر
بنا ہے شوقِ ترقی سبب تباہی کا

اور ہی تھی ساخت تیروں کی نشانہ اور تھا
یہ زمانہ اور ہے اور وہ زمانہ اور تھا
تھی نہ یہ لیڈر کی رقاصی نہ یہ قانونِ غرب
سننے والے اور تھے اس وقت گانا اور تھا

جہانِ فانی کے حادثوں کا خیال کب تک کیا کریگا
جو ہو رہا تھا وہ ہو رہا ہے جو ہو رہا ہے ہوا کرے گا
کہاں تک اخبار ہوں گے شائع نہ کر عبادت کا وقت ضائع
کمیٹیاں قبر میں نہ ہوں گی تو تو ہمیشہ جیا کرے گا

راجہ صاحب کو خطاب سی۔ ایس۔ آئی ہو گیا
مرتفع اب اور ہی اوجِ رسائی ہو گیا
راجہ صاحب میں ہے ایسی دلکشی اخلاق کی
جو ملا اُن سے بدل اُن کا فدائی ہو گیا

پوچھتے کیا ہو ہم سے تم فتویٰ
نہ کرو ہم پہ بابِ آفت وا
اتنا کہتے ہیں رشتہ ملک سے ہو
چرخ چرخہ بھی دے اگر کتوا

عشق میں بے خود نہ تھا ابتر رہا مضطر رہا
دل دلیلوں کا تھا ساتھی ہر طرف ششدر رہا
گو ترقی کی خرد نے پھر بھی پستی میں رہی
جس جگہ پہنچی سمجھ رازِ ازل برتر رہا

شیخ جی کا وقت آخر ہو گیا
جانِ کُل کا حال ظاہر ہو گیا
کیا تماشا ہے کہ چُپ مارا پڑا
اور جو بولا وہ کافر ہو گیا

جو چاہے کفر کے آگے سرِ تسلیم خم کرنا
بجا ہے تم کو اکبر اپنا ملنا اُس سے کم کرنا

مراقبے کو بہت آسان ہے گردن کو خم کرنا
مگر مشکل ہے دل کو یادِ خالق سے بہم کرنا

فلک مجھ کو اگر ایوان دیتا اور چمن دیتا
مزا جب تھی مرے دل کا بھی داغِ کہن دیتا
دماغ و دل پہ اب قابو نہیں ہے ورنہ اے اکبر
حریفوں کو دکھاتا بانکپن ، دادِ سخن دیتا

خوش آیا آپ کو دھوتی میں پُر شکن رہنا
نہیں پسند ہے پتلون کا بٹن رہنا
رہیں نمود کی باتیں سو اس میں فرق نہیں
نصیب دونوں کو ہے صدرِ انجمن رہنا

یہ ہو سکا تو پھر کیا ، وہ ہو گیا تو پھر کیا
خواب لحد میں انساں جب سو گیا تو پھر کیا
پھر غفلتیں وہی ہیں اور پھر وہی کلیلیں
مجلس میں آ کے دم بھر وہ رو گیا تو پھر کیا

نئے گملوں میں پڑ کر پھول جانا
خدا اور آخرت کو بھول جانا
بہت بے جا ہے یہ واللہ اکبر
ذرا سُن لو تو پھر اسکول جانا

آگ برسانے کو لائی ہے ہوا
جیٹھ میں اس لو کی ہے کیا دوا
کاسۂ سر ہو گیا بالائے سر
جس طرح چولھے کے اوپر ہو توا

اس وقت شیخ جی کو گاندھی سے بیل سوجھا
صاحب نے روک چاہی ان کو بھی کھیل سوجھا
دونوں نے آخر اپنی اپنی نکاس دیکھی
اسکیم ان کو سوجھی اور ان کو جیل سوجھا

دنیا کی طمع میں وہ پھسلا اور میں نے خدا کا نام لیا
لغزش سے وہ خاک آلود ہوا اور صبر نے مجھ کو تھام لیا
ظاہر کا ادب ملحوظ رہا ، باطن بھی مگر محفوظ رہا
واعظ سے ادھر اک بات سنی ساقی سے اُدھر اک جام لیا

متفرقات

پھری بھی رُت تو میں نشو و نما کو کیا کرتا
نہ تھی وہ نکہتِ گُل پھر صبا کو کیا کرتا
ارادہ تھا کہ میں ہستی سے کر لوں قطع نظر
نہ ہو سکا مگر ایسا خدا کو کیا کرتا

مبتلا ہو کر اگر دنیا کو پہچانا تو کیا
دام میں پھنس کر اگر صیاد کو جانا تو کیا
تھوڑی سی تحسین بھی اہلِ نظر کی ہے بہت
بے بصیرت نے اگر اُستاد بھی مانا تو کیا

دے دیا فطرت نے ٹھیکہ باغ کا صیاد کو
موسم گلزار میں بلبل کو چُپ ہونا پڑا

حضرت عیسیٰ کی آمد ہی یہ تھا وقتِ خوشی
بھائیوں میں دیکھ کر ماتم مگر رونا پڑا

مل گئی ان کو کمیٹی ان کو غربی مجلسیں
میرے حصّے میں مگر گھر کا ہی اک کونا پڑا

جو کچھ ہوا نتیجہ تھا اپنے ہی عمل کا
کیونکر کہوں کہ ایسا ہونا نہ چاہیے تھا

اکبرؔ کو آسماں نے عزلت گزیں بنایا
محفل کے مستحق کو کونا نہ چاہیے تھا

حس دیکھ کر الم کا بے رحم ہنس رہا ہے
بیدادگر کے آگے رونا نہ چاہیے تھا

ہوش میں لائی ہیں اب مایوسیاں
نشۂ امید فردا ہو چکا

عشق سے کہہ دو قیامت ہے قریب
حسن کا سنتے ہیں پیدا ہو چکا

کالج ہی نے بتائی نیکوں کو یہ تعلّی
صاحب ہی نے سکھایا ہندوستاں ہمارا

صاحب کریں حفاظت اور ہم کریں حکومت
گاندھی سے کام نکلا یہ بے گماں ہمارا

صاحب سے لڑ بھی جانا اکڑ بیٹھ بھی جانا
ہے عمدہ اک تماشا یہ امتحاں ہمارا

فخر تھا اپنی چمک پر آپ کو
دو ہی صدیوں میں ملمّع کھل گیا

بلبلا اٹھی رعایا ہر طرف
عرش و کرسی تک فغاں کا غل گیا

بھاگ نکلے لوگ ہو کر بے قرار
کوئی امریکہ کوئی کابل گیا

اس قدر تیزی سے دوڑی ان کی لہر
تھا جو مصنوعی مسالہ دُھل گیا

خمِ ایماں ملا ہے ساقیِ میخانۂ دیں سے
میں اک قطرہ بھی ایسا بادۂ صافی نہ چھوڑوں گا

خدا کے نام پہ موت آئی تو یہ بھی شفا ہی ہے
نہ چھوڑے مجھ کو بیماری میں پینا ہی نہ چھوڑوں گا

قطعات

مسلم کا فقط ولولہ ہے رائے زنی کا
انگریز کو سودا ہے مشیخت تعلّی کا

صدیوں سے یونہی وقت ہوا کرتا ہے ضائع
تقویٰ کی طرف رخ نہیں دنیا سے دلی کا

اس کا یہ نتیجہ ہے بن آئی ہے بتوں کی
سوسن کو دباتا ہے شجر ناگ پھنی کا

عمر گذری تب کھلا دُنیا کا حال
اور ہی کچھ دل میں اب آنے لگا
پہلے تنہائی سے گھبراتا تھا میں
زندگی سے اب تو گھبرانے لگا

خوب یہ نکتہ ہے مشتاق خودی کے غور کو
سالکوں کو بے خودی کا مرحلہ لابُد رہا
تم نے اپنی خودی کو کرلیا حاصل مگر
عالم نشو و نما میں مدتوں بے خود رہا

اٹھائی قید کی تکلیف گو یوسفؑ نے زنداں میں
زلیخا کو تو قائل کر دیا اپنی بزرگی کا
گورمنٹ انتظام غلّہ اب کردے سپرد اُن کے
کریں یہ شیر بن کر سامنا مہنگی کی گُرگی کا

ذہن میں آیا یہ مضمون تفکّر آفریں
جب حقیقت پر نظر کی وہم کو کم کر دیا
دیر کو شکر کلیسا چاہیے کرنا ادا
سامنے بُت کے اُسی نے شیخ کو خم کر دیا

تجربہ ترکِ تعاون کا کریں یہ تو ہے سال
گو رہیں جو پاؤں لٹکائے ہوئے ہیں اُن کو کیا
خاتمہ بالخیر ہے ان کا پُرانے راگ پر
وہ کہاں پائیں نئے سُر اور کریں اس دُھن کو کیا

غزلیات

مانا کہ جو ہوا وہ ہونا ہی چاہیے تھا
لیکن جو رو دیا میں رونا ہی چاہیے تھا
یورپ کے جاگتے پر صدیوں نظر نہیں کی
قسمت کو ایشیا کی سونا ہی چاہیے تھا
موزوں نہ انجمن میں میدان کے نہ لائق
اس وقت مجھ کو گھر کا کونا ہی چاہیے تھا
عمرِ حریصِ زر کیوں غفلت میں کٹ نہ جاتی
سونے کے بدلے بے شک سونا ہی چاہیے تھا
ہو یا نہ ہو اثر کچھ اشکِ رواں کا اکبر
غفلت کا داغ دل سے دھونا ہی چاہیے تھا

زندگی کرتی ہی رہتی ہے مصیبت پیدا
باخدا اس میں بھی کر لیتے ہیں لذت پیدا
دل میں وہ رنگِ محبت کو جگہ دیتے ہیں
جس سے ہو جاتی ہے تلخی میں حلاوت پیدا
خلق صورت میں ہی کرتی ہے معانی کی تلاش
وہ معانی سے بھی کر لیتے ہیں صورت پیدا

نماز میں دل لگا لے مسلم سکونِ خاطر اسی سے ہوگا
دوا ہے قوت یہی بنے گی علاج کا فر اسی سے ہوگا

خدا کی سمجھیں گے جب حضوری تو ہوگی مایوسیوں سے دوری
زباں پہ ہی جو ذکر ایماں عمل میں ظاہر اسی سے ہوگا

جو حالتِ نزع ہوگی طاری اسی کی برکت کرے گی یاری
یقین رکھو کہ ہیں تم پہ وہ وقت آخر اسی سے ہوگا

کرو عبادت سے دل منور سر اپنا سجدے میں رکھو اکبر
خدا کا فضل و کرم تمہارا معین و ناصر اسی سے ہوگا

کیوں کر کہوں کہ کچھ بھی نہیں فیـ ـ کے سوا
سب کچھ فنون عرب میں ہے خیبر کے سوا

کعبے میں ٹو کی بحث کلیسا میں رنگ کی
اب شیخ ہند جائیں کدھر ذیر کے سوا

دریا میں کیوں رہو کہ مگر سے ہو سابقہ
لیکن رہو تو چارہ ہی کیا بیر کے سوا

اشجار میوہ دار ہیں اس باغ میں تو ہوں
مجھ کو نصیب کچھ بھی نہیں تیر کے سوا

آپس کا اتحاد یگانوں سے اٹھ گیا
اب پوچھتا ہے کون ہمیں غیر کے سوا

کھاتا ہوں غوطے ہنستے ہیں ساحل پہ ہیں جو یار
آواز کوئی آتی نہیں تھیـ ـر کے سوا

گردوں کے ستم دیکھے اجڑا ہوا گھر دیکھا
دیکھا تو نہ جاتا تھا ناچار مگر دیکھا

اب آنکھ اٹھاتا ہے ایمان کی بربادی
اس بت کی نظر دیکھی اور اس کا اثر دیکھا

تقدیر مخالف تھی تدبیر ہوئی قاصر
ممکن تھا جو کچھ ہم سے سب ہم نے وہ کر دیکھا

تکبیر ہی اچھی تھی تقریر میں تھے جھگڑے
ترک اس کو کیا ہم نے جس شور میں شر دیکھا

دنیا کی یہ زینت ہے عقبیٰ کے وہ ہیں وعدے
غافل نے ادھر دیکھا عاقل نے ادھر دیکھا

قرآں میں آیا ہے اِنْ کَانَ لَهٗ قَلْبٌ
افسوس کہ سینوں میں کم دل کا اثر دیکھا

اب ہند کے پھل رکھیں کیوں کر مرا دل ٹھنڈا
غیرت کا تقاضا ہے کابل ہی کے میوے دیکھا

دریا میں رہا ڈوبا موتی میں تب آب آئی
بینا ہوئی آنکھ اُس کو جب اشک سے تر دیکھا

جینے میں انھیں کو تھی عزت کہ جنھیں ہم نے
شمشیر بہ کف پایا خنجر بہ کمر دیکھا

بے چین ہے دل داغِ حسرت کے اُبھرنے سے
امید کی شاخوں میں آخر یہ ثمر دیکھا

اس عہد میں اے اکبر ہم اُس کو ولی سمجھے
تھوڑا سا بھی کہ جس میں اللہ کا ڈر دیکھا

صد شکر مری نظریں بہکی نہیں اے اکبر   دنیا بھی بہت چمکی بت نے بھی سنور دیکھا

٭

نہ کوئی شاہ ملا اور نہ کوئی چور ملا   وصول چندہ کا ہر انجمن میں شور ملا
مگر حضور نے گاندھی سے کہہ دیا دیکھو   تمہیں کرور ملا ہم کو دو کرور ملا
یہ پالیسی تو نہیں جنگ زرگری نہیں   یہ شبہہ بھی ہوا گاندھی میں جو کچھ زور ملا
کسی اکھاڑے میں ہوں گے بجلم کوہستان   نہ بل میں سانپ نہ جنگل میں مجھ کو مور ملا

٭

ساون بھی بادلوں کو اس سال ہے ترستا   گرمی نہیں کھسکتی پانی نہیں برستا
حلوائیوں کو بھی ہے گرمی سے تلخ کامی   پوری سزا ملی ہے خود ہو رہے ہیں خستہ
کرنا پڑے گی باہم یاروں کو چشم پوشی   بازار میں جو اُن کو کپڑا ملا نہ سستا

٭

احباب گذشتہ نے یہ ساماں نہیں دیکھا   اچھے گئے ملت کو پریشاں نہیں دیکھا
اب تک ہے انھیں حالت سابق کا تصور   یاروں نے مرا کاشانہ ویراں نہیں دیکھا
اک بار نظر آیا خزاں کا جو تصرف   پھر ہم نے کبھی سوئے گلستاں نہیں دیکھا
غفلت میں تو پیری بھی نظر آتی ہے خود بیں   حیرت میں جوانی کو بھی نازاں نہیں دیکھا
جب مادہ غائب ہو گداز آئے کہاں سے   شمعوں کی طرح لمپ کو گریاں نہیں دیکھا

٭

ہند میں بھرتیاں خوب ہے جنجال اُن کا   ہیں گاندھی کو چھپا لیتا ہے اقبال اُن کا
خورد و نوش ان میں ہے افزوں تو اسی قوت سے   لوگ سچ کہتے ہیں جو پیچ اُن کی ہے چنگال اُن کا
تنگ ہیں آج جو ہیں دار و بازار جہاں   ناک میں دم کیے دیتے ہیں یہ دلال اُن کا
اس تمنا کے بر آنے میں بہت دیر نہیں   یعنی ہم صیغۂ ماضی میں سنیں حال اُن کا
داڑھی والوں کو تو مدت سے بچا رکھا تھا   آج چوٹیا پہ بھی بھاری ہے مگر بال اُن کا
بھائی گاندھی بھی عجب چیز ہیں فرماتے ہیں   خاتمہ ہی کیے دیتے ہیں اسی سال اُن کا

٭

تنہا ہی کر گئے دنیا میں کام اللہ کا   ہم تو ہیں محو خودی اور بس ہے نام اللہ کا
ہاں اگر کرنا بھی ہم چاہیں تو کر سکتے نہیں   کان ہے اور آنکھیں میں کیا پہنچے کلام اللہ کا

تذکرہ ہو بھی جو کچھ اس پہ عمل کرتا ہے کون　　نام تک لینا ہے مشکل صبح و شام اللہ کا
خانقاہیں چھپ رہیں ہوٹل اور کلب آباد ہیں　　مغربی کپ دور میں ہیں گم ہے جام اللہ کا
ہاں موحد کہتے ہیں اس کو بھی اک رنگ ظہور　　اس کی مرضی ہے یہی یہ بھی ہے کام اللہ کا

یہ تو کیوں کر کہوں اقرار خدائی نہ رہا　　ہاں مسلمان مسلمان کا بھائی نہ رہا
کوڑے والوں پہ تو ہیں سخت جو ممبر بورڈ　　اپنے دل میں کچھ انھیں شوق صفائی نہ رہا
اختلافوں میں ہے گم مرکز توحید سے دور　　نام اللہ سبب منع جدائی نہ رہا
اٹھتے ہیں ان کے قدم جانب مقبولی دیر　　ذوق کعبہ کا پئے راہنمائی نہ رہا
روزہ خوروں کو ڈنر دینے میں سرگرم ہے یہ　　گھر میں وہ ولولۂ روزہ کشائی نہ رہا

کیا کروں یارب میں سردی کی دوا　　چل رہی ہے آج پھر ٹھنڈی ہوا
ضعف پیری اب تو جانے کا نہیں　　مرغ کھائیں آپ یا کھائیں لوا
آپ کے آگے حقیقت میری کیا　　آپ شاہ کامراں میں بے نوا
ٹل نہیں سکتی زبان فریاد کو　　مجھ سے عاجز پر ستم ہے ناروا
کرتے پھرتے ہیں وہ ذکر شیر بال　　گھر میں چولھے پر نہیں لیکن توا

ہے فضول تماشۂ جاہ و حشم، ہے عبث یہ ذخیرۂ سیم و طلا
جو قناعت نہ ہو سکے تو وہ کچھ نہ ہو سکے جنھیں تو نہ ملا انھیں کچھ نہ ملا
ترے ذکر کا ملتا رہے جو صلہ نہیں عمر کا ضعف کا مجھ کو گلا
مجھے عذر نہیں مجھے اب بھی چلا، مگر اپنا ہی ساغر شوق پلا
تری سعی فضول رہی بھی تو کیا کوئی بات جو تو نے کہی بھی تو کیا
کوئی ابر اٹھا کوئی موج بہی، کوئی باغ لگا کوئی پھول کھلا

ردیف ب

متفرقات

بندروں نے خوب نوچا مجھ کو اس میں شک نہیں لیکن اتنی بات ہی بھائی کہ میں کھنچا بھی خوب

ایک گنوار اساڑھ میں

گرمی کہتی ہی جسان ہم مارب" دو تگڑا ایچ اساڑھ کا یارب

زمانے کا ہی یہ عجیب انقلاب کہ شیری کا دعویٰ صدائے کلاب

کہاں وہ نور قدم دلوں میں نگاہ محو حدوث ہی اب

خدا شناسی کا شوق کس کو نظر میں حسن نقوش ہی اب

سائنس نے بگاڑ دیا ہی مزاج عرب اب صرف زہر حرب سے ہوگا علاج عرب

اجی ملا کو آپ اٹھنے دیجے وہ ہاتھ خوب پھر وہ غم رفیق، خدا ہی کا ساتھ خوب

ہم تو کہتے ہیں کہ اللہ بھی خوب، آپ بھی خوب کیفیت کو اپنی او آنکھوں سے لیے بیٹھا سب بھی خوب

غزل

عبرت کا ساتھ دیکھ تماشائے انقلاب شیوہ نہیں ہے ادا کبھی پاسئے انقلاب

فانی جہان حشر کی منزل ہے ہو رواں کس طرح کی ہے بوجھ ہوا سے انقلاب

ہر رنگ میں جسے نظر آتی ہو شان حق باغ جہاں میں کیا اسے پروائے انقلاب

امید رکھ خدا سے عبادت سے منہ نہ موڑ رنگ زمانہ کچھ ہی ہو لاکھ آئے انقلاب

خمسہ

جاہ و زر کے رہے انگلش سے ہمیشہ طالب　　عہدِ پیری میں بدل سکتے ہیں کیوں کر قالب
مشتہر کر دیں یہ ہمدم میں جنابِ جالب　　زندگی بھر تو رہا عشقِ بتاں ہی غالب
آخری وقت میں کیا خاک مسلماں ہوں گے

کوچۂ مس و مسٹر انگلش میں رہے ہم ساکن　　جاہ و زر ہی کی تمنا میں کٹے زیست کے دن
وعظِ گاندھی سے بدل سکتے ہیں کیوں کر باطن　　عمر تو ساری کٹی عشقِ بتاں میں مومن
آخری وقت میں کیا خاک مسلماں ہوں گے

ردیف ت

توڑ امیدیں سب سے تو مانگ ہدایت رب سے — قرآن سے ہے دل دبا لا تہدی من احببت
جو گرد ہیں تھا حریفوں نے اڑایا ہم سے مفت — اب فقط اخبار میں ہے او رمن چہ گفتم او چہ گفت
اس حب زر پہ ترک انگریزی واہ حضرت — گڑ کھائیں گلگلوں سے پرہیز واہ حضرت
دشمن مبارک ہو تمھیں یہ جنبۂ بی الیٹ — اب قوم کو دیکھو ذرا اور خون میں کی دو ذیت

قطعات

کیا طلب جو سوراج بھائی گاندھی نے — تھی یہ دھوم کہ ایسے خیال کی کیا بات
کمال پیار سے انگریز نے کہا ان سے — ہمیں تھا [illegible] کمال کی یہ بات
بدھو کا لفظ تھا فقط اک مصلحت کی بات — دل میں تمہارے ہو تو ہے یہ بڑی بات
بدھو سے صرف ہند کا مسلم مراد ہے — مقصود عاجزی ہے غرور اک فساد ہے

آپ نے والیس نہ کیا کیوں خطاب — [illegible] میں کیوں اگر تھے میں مقوم قسمت
کہنے لگے اس کا اثر ہوگا کیا — ناز برآں کن کہ خریدار تست

رباعیات

ہر قدم در منزل ہستی از رنج و غمی ست — حمد رب العالمین فرض است و اینہم عالمی ست
رنج و راحت را درین دنیا نباشد وقتی — این جہان یک دم نزد ہست و عمر ما ہم یکدمی ست

سیکھ لی دیر کے چراغ کی ساخت — کفر آلود تھی دماغ کی ساخت
وہ سیانے ہیں اور ہم کالے — دونوں میں مشترک ہے زاغ کی ساخت

ردیف ٹ

رباعی

بجا ہی شہد کی مکھی کو ہی جو پھول کی چاٹ
عبث ہی ہم کو مگر شورش فضول کی چاٹ
خبر نہیں تھی کہ گاندھی کو لے اڑیں گے شیخ
جناب خوش نہ ہوسے دے کے مرہم رذل کی چاٹ

ردیف ج

پھروں پر کہاں تلک یہ چارج　　نابدان اپنا دیکھیں لائڈ جارج
جھکڑے پہ جو چڑھتے تھے ہیں موٹر پہ سوار آج　　کیوں اس کو سمجھتے نہیں تم لوگ؟ سوراج

رباعی

دھرم کی رکھ لے اے بھگوان تو لاج　　ہمارا ہند ہو دنیا کا سرتاج
ہوائیں پھر وہی ہوں اور وہی امن　　وہی گائیں، وہی بنسی، وہی راج

شیخ صاحب کو یہ صدمہ ہے کہ نیٹو ہو گئے　　میرزا خوش ہیں کہ سر پر آگیا کونسل کا تاج
میرزا کا نام رہ سکتا ہے قائم سی سے　　شیخ جی کے رنج کا اللہ ہی جانے علاج

ردیف د

نشانِ شوکتِ گاندھی کجا بود / کہ اکبر صرفِ کشفِ ماجرا بود

بجائے ملک لیکن مدعایش / خدا بود و خدا بود و خدا بود

ملال را کرد پیدا زورِ نظمش / ولے خود در غم و رنج و بلا بود

غزل

خونِ دل در نظرِ عشق بہارے باشد / داغِ حسرت بہ جگر روئے نگارے باشد

بے قراریست سکونِ دلِ شوریدۂ ما / مضطرب گردد اگر صبر و قرارے باشد

یادِ روئے تو اگر رہبرئ دل نہ کند / روزِ روشن بہ نگاہم شبِ تارے باشد

زینتِ قصر نہ خواہد دلِ عبرت زدگان / شجرے باشد و پائین مزارے باشد

لذتِ زیست چہ باشد چو ازو پرسیدم / گفت اکبر کہ دلے باشد و یارے باشد

روح را از تن مکانے دادہ اند / بے نشانے را نشانے دادہ اند

برہمن در دیر و من پیشِ حرم / ہر جبین را آستانے دادہ اند

ہر نگہ یک رفعتے دارد بہ پیش / ہر نظر را آسمانے دادہ اند

حال ہم دارد زبانے بہرِ گوش / ایں زبان را ہم بیانے دادہ اند

رباعیات

بھائی گاندھی لے کے بیٹھیں شرحِ معقولاتِ ہند / سب کے حصے میں رہیں گے پھر بھی ماکولاتِ ہند

شرک پھیلا ہو جہاں لازم ہے اک سرکوب بھی
مدتوں سے ہے یہی از جملہ معمولات ہند

باوجود علم رہ سکتا نہیں راحت میں ہند
وجہ یہ ہے مبتلا ہے شرک کی شامت میں ہند

جب نہ ہو توحید تو الحاد غالب آئے گا
بت پرستی کے سبب رہ جائے گا آفت میں ہند

زبان خلق صرف داستان بود
کہ در دنیا چنین بود و چنان بود

نگاہم بود محو جلوۂ حال
بہ طبعم آنچہ آمد میہمان بود

برگد کو اٹھا لے سے نزدیک کروں کیونکر
روٹی کے لیے کالج جنت کے لیے مسجد

مراست ناز و تبختر کہ زر بدست آمد
تراست خندۂ و بازی کہ خر بدست آمد

برادر کابلی گو ہوں بڑے مرد
وہاں بھی ہے مگر خوف سگ زرد

ڈارونیوں کا چلا سلسلہ تیمور کے بعد
دیکھیں کس نسل کی اب جیت ہو لنگور کے بعد

مجھ کو یہ جھول جھال یہ گھس گھس نہیں پسند
ماتحتی رقیب میں آقس نہیں پسند

کمیٹی چون نذر چندہ می شود
ل صاحب مارا بندہ می شود

ردیف ر

چور کے بھائی گرہ کٹ تو سُنا کرتے تھے
اب یہ سنتے ہیں ایڈیٹر کے برادر لیڈر

ہی نجس دنیا مگر دل اُس سے لگتا ہی ضرور
جو نفیس الطبع ہیں ان کو بھی ہے

کھلایا ڈاکٹر صاحب[1] نے کھانا خوش رہا اکبر
شکایت ہضم کی کیوں ہو سلیمانی نمک کھا کر

اُمید فردا کا کیا سہارا اجل سے اتنا قریب ہو کر
ہوئی بھی دنیا تو ہوئے گی کیا متاعِ دنیا نصیب ہو کر

عاشق ہوا ہوں چشمِ بُت لاجواب پر
نرگس بھی صاد کرتی ہے اس انتخاب پر

رکھے اللہ آپ کا گاندھی کا جوڑا برقرار
آپ کے ہوں خانساماں اور اُن کے ہوں کہار

نہ تو یوں نیک و بد کا فیصلہ فی الفور کر اکبر
زمانہ دیکھ، تاثیروں کو دیکھ اور غور کر آ

اٹھے تو واعظیں اکثر زبانِ باخبر لے کر
چلے جب کام آئیں جب نگاہ با اثر لے کر

سرکار تو ہے شاد کہ گاندھی ہوئے حاضر
اور قوم ہے مغموم کہ بچھڑے نہ گئے فا

دو وقت حفظِ صحت منحصر ہے بول و براز پر
زبردستی ہے جینے کی مسرت ان شرائط پر

نازک بہت ہے وقت خموشی سے ربط کر
غصہ ہو، آہ ہو کہ ہنسی سب کو ضبط کر

قیس کیوں گرد دوڑتا بیٹھا ہے منزل چھوڑ کر
شوق لیلیٰ نے کیا موٹر کا محمل چھوڑ کر

اے چرخِ ہوائے شوق چلی، اے شاخِ عمل گُلباری کر
کچھ سعی کریں، کچھ کام کریں، ہر شیخ کو عبدالباری[2] کر

---

[1] ڈاکٹر سر شاہ محمد سلیمان مرحوم۔ [2] گناہ معاف۔ قافیوں کا حُسن دکھانا تھا۔

شک اس میں کیا ہو کہ ساری دنیا ہو آج اُن کے رزل کی زد پہ
اشارہ فطرت کا ہی مگر یہ کہ خود بھی وہ ہیں اجل کی زد پر

یہ لازمی ہی کیا کیجیے حضور حضور　　خدا خدا بھی کیے جائیے ضرور ضرور

دائے ذوق ؟ حق میں سدا جو پھولے رہو تو بہتر
خیال ناکامیوں کا کم ہو، خودی کو بھولے رہو تو بہتر

رہیں اعدا کے حسبِ زندگی پر　　یہ سمجھے ہیں مریں گے وقت ہی پر
ہار فریبی ہی ممبر کونسل کی جوڑی پر　　مصیبت ہی نوٹس، غازی میاں کی للّی گھوڑی پہ

متفرق

م وہ اچھا کیا جانے جو کرنا سیکھ کر　　خوب وہ مرنا مرے انساں جو مرنا سیکھ کر
بے قراری خوب تھی راہِ فنا کے واسطے　　مجھ کو غافل کر دیا دل نے ٹھہرنا سیکھ کر
اب تر اس کشمکش سے تھا وہ یکسانی کا لطف　　سطحِ قُلزم کی چند ذرّوں نے اُبھرنا سیکھ کر

رباعی

ہو جو تقویٰ کہ سوا ترک موالات کچھ اور　　تو وہ اسلام نہیں بلکہ ہوئی بات کچھ اور
عُلَماء خوش ہوئے سن کر یہ مرا شعر اکبر　　ہاں مخالف نے کہا بکیے خرافات کچھ اور

وجد آجاتا ہی مشرق کی غزل کو دیکھ کر　　ہوش اڑ جاتا ہی مغرب کی رزل کو دیکھ کر
ڈر رہا ہوں ضعف سے ایمان کے اس عہد میں　　دیکھیے کیا حال ہوتا ہی اجل کو دیکھ کر

س درجہ جھک پڑے ہیں وہ بیف پر، بٹن پہ　　ہی بار پیٹ اُن کا پتلون کے بٹن پہ
ورت پہ اور نسب پر ترجیح دی ہُنر کو　　کس دل جو اُس کے دیکھے دل آگیا رٹن پر
ض اس سے نہیں مجھ کو بنی ہی یہ زمیں کیوں کر　　یہ فرمائیں مُیسّر آئے گی تاں جویں کیوں کر

یہی پرستش ہے ہر سو آپ بی۔اے ہیں کہ ایف۔اے ہیں
یہ ہی جب رنگ دنیا کا تو سیکھیں علم دیں کیوں کر

عمومی ہے خلقت نوازیٔ عُمر
ہر اک کھیل لیتا ہے بازیٔ عُمر
مگر یاد رکھ۔ جوشِ طاقت فقط
نہیں ہے دلیلِ درازیٔ عُمر

ردیف ز

دلگیر ہیں مہماں مرے کیوں ہو نہ اِس پر مجھ کو ناز
اپنے لیے دلگیر ہیں، میرے لیے ہیں دل نواز

ردیف س

رُباعی

مذہب واپس، خیالِ جنّت واپس
مسجد کا وہ حق، وہ نذرِ دعوت واپس

حضرت نے یہ صاف کہہ دیا سب سے کہ میں
کرنے کا نہیں خطاب و خلعت واپس

ردیف ش

قطعہ

گورمنٹوں میں بڑی عقل ہے — مگر ان میں ایکا نہیں ہے نہ جوش
جو ہیں گاندھی وہ ہیں اکثر اُجڈ — مگر اک امنگ ان میں ہے اور جوش
اللہ رکھے شیخ کو کل پل کے ساتھ خوش — یاں کیا ہے صرف دل ہے میں ہوں دل کے ساتھ خوش

قطعہ

اِدھر عزیمتِ گاندھی کی مشرقی کو تلاش — اُدھر جلالتِ مغرب ہوا میں ہے بم پاش
کہیں یہ شکوہ کہ انعام میں نہاں ہے فریب — کہیں یہ غصہ کہ شور و فغاں ہے سمع خراش
کہیں یہ طعن کہ یہ سامری ہے گاؤ پرست — کہیں یہ شبہہ کہ خنزیر کی یہ کھائے گا قاش
کہیں یہ زجر کہ مشرک سے ارتباط عبث — کسی پہ قہر کہ غیرت ہے نذرِ فکرِ معاش
کہیں یہ وسوسہ کہ بنیاد و تخت سست نہ ہو — کہیں یہ خطرہ کہ گرنے لگے نہ لاش پہ لاش
کہیں یہ فیصلہ یہ سب ہیں ملک و قوم فروش — کہیں یہ قول کہ یہ سب ہیں رند اور اوباش
جدھر اٹھائیں نظر ان میں ہے عیاں باہم — عناد و غیبت و توہین و کینہ و پرخاش
تغیراتِ جہاں کون روک سکتا ہے — ہر ایک پائے گا اعمالِ زشت کی پاداش
فضول رائے کے اظہار میں ہیں جو سرگرم — یہ شعر صائب انھیں خامشی سکھائے کاش

تمیز نیک و بد روزگار کار تو نیست
چو چشم آئینہ در خوب و زشت حیران باش

ردیف ط

معنی ہیں بہت کچھ اس میں نہاں مانو جو یہی اک قول فقط
تقویٰ میں بھی کوشش لازم ہو کافی نہیں یہ لاحول فقط

انقلابوں کو سمجھ حشر کی تمہید فقط
ہے یہ ترکیب فسادات کی تجدید فقط

ردیف ف

عہد پیری میں یہ کب طول امل اے اکبر
کیا یہ طفلی ہے کہ جاتی ہے جوانی کی طرف

واہ کیسی رُدّی کی لانچ سے ہے یہ واہ وا
شعر تو دادی ہے بیکس واہ وا نانی ہے صرف

افسوس ہے کہ عاشقِ شیطاں وہ ہو گئے
پائیں گے اب ہجوم رقیبوں کا ہر طرف

دنیا یہی ہے توجہ رہے دُعا کی طرف
خودی سے کیجیے ہجرت بس اب خدا کی طرف

کفر کا لاسا لگا دنیا کی زینت کی طرف
حرص سے اب کیجیے ہجرت قناعت کی طرف

تردد آج کا ہے اور نگاہ کل کی طرف
کسے خیال کہ ہے کشش اجل کی طرف

رُخ جو ہو ترکِ موالات کا عقبیٰ کی طرف
تری آنکھیں نہ اٹھیں زینتِ دنیا کی طرف

ردیف ک

دلِ صدق سے کہہ اَنَبْنَا اِلَیْکْ   دُعائے سَحَر کو بنا اپنا پَیک

ردیف گ

تم رہو سدا ان ناپاک جھگڑوں سے الگ — تم کو کیا مطلب ہے ان سے بجم خردمندان سنگ

گھیرے ہوئے ہے کفر خدا سے پناہ مانگ — رہبر میں ہے فریب خدا ہی سے راہ مانگ

ہم دھوئیں گیتا کے سینگ
تم بیچو سدھ پر ہینگ

صاحب لوگ کی گاڑی دوڑے
جوتیں تم کو' ماریں ڈینگ

ردیف ل

جو نیند آتی نہیں اکبر پڑے رہنے سے کیا حاصل
مصلے پر اٹھو کچھ پڑھو یا لکھو یا اٹھو اور ٹہلو

موقع یہی ہے غیرتِ ایماں کو مار ڈال
جھک جائیں گے بہت جو خوشامد کا بار ڈال

بظاہر ان کے لیے ہیں یہ درجہ ہائے جلیل
جو دل کو دیکھو تو ہیں ان کے کانشنس ذلیل

دل گفت بگو عقل فرمود مگو
گویم مشکل وگر نہ گویم مشکل

ہاتھ میں گھٹ بڑھ نہیں ہے قوتِ جنبش ہے بس
ہاتھ اٹھانا پھر بھی مشکل ہاتھ پھیلانا ہے سہل

مغربی تعلیم سے دل ایشیا کا ہے ملول
کر دیا خلقت کو اس نے بے تمیز و بے اصول
جو کرے اصلاح اس کی مدح کا ہے مستحق
اور باتوں کو بظاہر میں سمجھتا ہوں فضول

ردیف م

چمکا ہی بہت پولٹکل اب اثرِ قوم — ہی قوم تو بے پر مگر اڑتا ہی زرِ قوم
کیا دین کے سُرمے سے کُھلے چشمِ بصیرت — دنیا ہی کی تحصیل پہ جب ہو نظرِ قوم
قائم کریں کیا رائے کمربند کی نسبت — معلوم بھی تو ہو یہ کہ کہاں ہی کمرِ قوم
اعزاز و اثر کی عبث اُمید ہی تجھ کو — حالت تو ہی یہ پیشِ درِ غیر و سرِ قوم
نقطے تو محیط اپنے دکھاتا ہوں ہزاروں — مرکز پہ مگر کوئی نہیں نامور قوم

بنو تقویٰ کے خوگر عادتِ پرہیز ڈالو تم — نظر اس پر رہے اکرم ہی عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقَاکُمْ[1]

مقابلہ مرضوں سے جو کر رہے ہیں ہم — یہ بات ہی کہ بتدریج مر رہے ہیں ہم

اے غافلو ہو گے یہ کب تک غریقِ قوم — حد سے زیادہ زار و زبوں اب ہی حالِ قوم
اس کا علاج واخِطِ اسلام سے سنو — پاکیزگی و نیکی و صبر و صلوٰۃ و صوم

غزل

این چہ شورست کہ در بجث بجٹ می بینم — ہرطرف بیشیٔ محصول و ٹکٹ می بینم
بر حکومت اثرے نیست ز قانونِ الٰہ — ہمّت او ہمہ مصروف گزٹ می بینم
نبران راکہ از انعام چو افتاد بدست — شائق و منتظرِ بھوجن و چیٹ می بینم
جبرے پردہ کشاد است درِ مکر و فریب — در اخلاص بہر ناصیۂ شٹ می بینم

---

[1] اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ

ردیف ن

ہزاروں طریقوں سے ہم انگریزوں کو گھیرے ہیں
طواف اُن کے گھروں کا ہے انھیں سڑکوں کے پھیرے ہیں

سواری ہے انھیں کی راہ اُن کی اور ڈاک اُن کی
انھیں کی فوج ہے ان کی پولس ہے اور تاک اُن کی

ہوا میں ایرشپ ان کے سمندر میں جہاز اُن کے
عمل ہم میں کیا کرتے ہیں نامعلوم راز اُن کے

علوم اُن کے زباں اُن کی پریس اُن کے لغات اُن کے
ہماری زندگی کے سارے اجزا پر ہیں ہات اُن کے

بہت ایسے ہیں جو ترکِ تعاون کے بھی قائل ہیں
مگر اونچے جو ہیں اکثر طرف انگلش کے مائل ہیں

فقط ضد ہے جو کہتے ہیں کہ جب اپنی زباں کھولو
ہمارے پیشوائے ملک گاندھی جی کی جے بولو

قرائن کہہ رہے ہیں آرہا ہے دور فتنوں کا
ہوائیں وہ چلیں گی نقش مٹ جائے گا کتنوں کا

کسی کی چل سکے گی کیا اگر قربِ قیامت ہے
مگر اس وقت اِدھر چرخہ اُدھر ان کی وزارت ہے

اسی کو پڑھیے اسے سمجھیے جو پیشتر عرض کر چکا ہوں
جو اس میں تازگی نہیں ہے کلام تازہ کہاں سے لاؤں

بحث رہتی ہے یہی ہم کیا کریں
میں یہ کہتا ہوں کہ پہلے ہم بنیں

عرب میں رقیب نہاں ہے اگر تو ہند میں دھن
ضرور ان کی حفاظت میں صرف کر تن من

ایرشپ کے سایۂ الطاف میں ہے جو زمیں
دارالاسلام اس کے ہونے میں ذرا بھی شک نہیں

مردِ مسلم ہے اگر صبر کو کھونے کا نہیں
کفر سے طالبِ عزت کبھی ہونے کا نہیں

ولولے دل میں تو آنکھوں سے بھی آتے خوب ہیں
کان بھی بجتے پھریں قوّال گاتے خوب ہیں

واقف ہوں کہ اِنَّہُمْ یَکِیْدُوْن
اخبار وہاں کے کیسا خریدوں

تو نے پڑھا ہے دنیا کو صرف ہسٹری میں
دنیا کو دیکھ غافل قدرت کی مسٹری میں

ہی سلطنت کی خواہش، کلچر میں تن رہے ہیں　　صاحب بنا رہے ہیں، ہم لوگ بن رہے ہیں

عہدہ دیتے ہیں، سند دیتے ہیں، زر دیتے ہیں　　خانساماں، وہ مجاہد کو بھی کر دیتے ہیں

الگ ہی شخصیت حوادث ہمیں سے یاوہ اُبھر رہے ہیں
یہ وقت ہم پہ گذر رہا ہی کہ وقت پر ہم گذر رہے ہیں

اس ترک موالات کے کیڑے یہ پڑے کیوں　　اتنا ہی ہو بس اس کا جواب آپ سڑے کیوں

اونٹ میں سردی بھی ہو، اتوار ایمانی بھی ہیں　　اب کسرِ ریٹ میں بھی ہیں، نذر قربانی بھی ہیں

بدیشی پاپچے میں آگ کیوں حضرت لگاتے ہیں　　وہ بولے "بات تو یہ ہی کہ صاحب کو جلاتے ہیں

سینۂ گاندھی میں سانس غالباً رُکنے لگیں　　لکشن جی تو فرنگی کی طرف جھکنے لگیں

کیا ناز دین پر ہو، کیوں یہ تنے ہوئے ہیں　　توحید کا ہی دعویٰ اور بُت بنے ہوئے ہیں

اونچے درجوں میں مسلمان گھٹے جاتے ہیں　　خیر خواہوں کی ترقی سے کٹے جاتے ہیں

وہ لالہ جی کی توند کہاں اور شیخ کی وہ مسواک کہاں
نقارہ بھی گم اور چوب بھی گم، مشرق کی رہی وہ دھاک کہاں

غم بھی ہی بہت، خونِ جگر پی بھی رہے ہیں　　سب کچھ ہی مگر، شکر خدا جی بھی رہے ہیں

ابرِ شب سے ہم اماں، اے چرخ پائیں گے کہاں　　آسماں بولا کہ ہم سے اڑ کے جائیں گے کہاں

عمر و آلام نے کیا پامال　　دل میں باقی مگر تہیہ نہیں
سانس لینا ہی زندگی ہی اگر　　تو میں زندہ ہوں ورنہ زندہ نہیں

ذرّوں کا بھی ثبوت نہیں امتحان میں　　سب کچھ ہی اور کچھ بھی نہیں ہی جہان میں

گاندھی ہمارے قدم ہستی کے پیچھے ہیں　　انگلش ہوا سے دیر میں ایرو پلین ہیں

اتنی سکے قریب ہو گیا ہوں　　ضم ہم ہوں کہ کھو گیا ہوں

پھنسا دیا ہی انھوں نے عجیب پھندوں میں　　کہ جینے ہوں اُن کے نیاز مندوں میں

عقیدے اپنے اک مدت سے ابتر ہیں پریشاں ہیں　　بتوں کے برہمن تھے اب مسوں کے خانساماں ہیں

اتنا بھی حسن نہیں ہے کہ خوش یا حزیں ہوں میں
اس کے سوا کہ زندہ ہوں اب کچھ نہیں ہوں میں

بظاہر ایک جانب ہے مگر لاکھوں ہی راہیں ہیں
خبر کیا تجھ کو کتنے دل ہیں اور کتنی نگاہیں ہیں

بہتر یہ فکر ہے کہ جیوں تو رہوں کہاں
یہ کیا خیال ہے کہ مروں تو گڑوں کہاں

کونسلوں میں دیکھتا ہوں صورتیں اچھی تو ہیں
مغربی اقبال کی یہ صورتیں اچھی تو ہیں

فکر دنیا لئے دنی کم کیا کریں
گندم و حوا کو آدم کیا کریں

وہ بغداد میں ہیں میں مندر میں گم ہوں
شتر کینہ وہ ہیں تو میں گاؤ دُم ہوں

زیادہ آخرت کا شوق ہو دنیا کو کم چاہیں
مگر یہ قول برحق ہے [illegible] ہے تو ہم چاہیں

شیخ ہوں یا برہمن رقصاں ہیں ان کے ہال میں
ریش و چوٹیا دونوں ہی الجھے ہیں ان کے بال میں

ہم کلرکوں سے کہاں راحت ہے ان کونسل میں
وہ تو ہیں اب وفد میں یا وعظ میں یا جیل میں

شکر ہے اس شرط پر اب صلح ان سے ہو گئی
وہ مجھے وحشی کہیں اور میں انھیں ملحد کہوں

ان میں نہ رنگ درویش ان میں نہ شان شاہی
گالی ہے اور زندان چرخہ ہے اور انجن

افلاک اور شب پہ زمیں سر پہ گاؤ کی
افسوس شیخ جی کا ٹھکانا کہیں نہیں

ہو چلا دست فنا کا حس مجھے
لذت امید فردا اب کہاں

کشش مرکز کی سب کو ایک رخ رکھتی ہے اے اکبر
جو یاران طریقت ہیں جدا بھی ہیں تو یکسو ہیں

کہتے ہیں کہ اسلام میں خیرات نہیں ہے
کھل جائے گا یہ حال جو تاریخ کو الٹیں

یہ فریبی ہے تمھاری ہمارے اجزا سے
عیاں ہے صورت یورپ حروف یورپی میں

ثواب آخرت کا بھی حاصل کریں
سوئے حق طبیعت کو مائل کریں

حضرت اکبر نہیں معلوم ہیں کس سوچ میں
زندگی سے ہو لیے رخصت مگر مرتے نہیں

دونوں کے مطلب یہ قریباً محال ہے
انجن رہے جہاں میں یا شیخ جی رہیں

یہ دنیاوی نزاعیں بڑھ گئیں تقسیم صوری سے
اگر ہو معنوی تقسیم فرقے ٹوٹ ہی جائیں

شاعری ان اہل کالج کی نہیں ہے معتبر
اب یہاں پریاں کہاں لفظوں ہی کے پتلے نہیں

دم دبائے رہو تو پارک کا لیسنس ملے
خیریت کے لیے ہی شرط خریت کی یہاں

تا کجا رنج و مصیبت کا کروں میں اظہار
مختصر یہ ہے کہ فرقت میں مرا جاتا ہوں

میں خدا کے واسطے اور سب خدا کے واسطے
کون ہو سکتا ہے میرا جب میں ہی اپنا نہیں

سینگ غائب ہے تو پھر گردن اٹھانا ہے فضول
حضرتِ اشتر سے کہہ دو یا لدیں یا ذبح ہوں

نہیں ہرگز مناسب پیش بینی دورِ گاندھی میں
جو چلتا ہے وہ آنکھیں بند کر لیتا ہے آندھی میں

یہ پوچھتے ہو خدا اگر ملے تو کیا مانگوں
یہی ہے کورس تو ملتے ہی کیوں لگا دو تمھیں

سبحہ ہو یا جنیو دونوں کو ناپتے ہیں
لعنت ادھر سے بھی ہے وہ بھی سراپتے ہیں

اس کو میں ظالم کہوں یا بدمعاش اس کو کہوں
گومگو کی بات ہے اکبر برا کس کو کہوں

شیخ ہوں یا مجتہد یا برہمن
بار ہے سب پر زمانے کا چلن

ہمارے لیے آپ کیا کچھ نہیں ہیں
مگر پیشِ ارض و سما کچھ نہیں ہیں

خراشوں سے بھر جائے گا خود کو دارِ عقبیٰ میں
جو تقویٰ سے رہا بیگانہ خارستانِ دنیا میں

جب قوت تھی سب دعوے تھے قوت ہوئی گم اب کچھ بھی نہیں
طاقت ہی کے سارے غمزے تھے کمزور کا مذہب کچھ بھی نہیں

اُن سے دل ملنے کی اکبر کوئی صورت ہی نہیں
عقلمندوں کو محبت کی ضرورت ہی نہیں

بات کچھ ہوئے گی لائڈ جارج میں
آج کل دنیا ہے اُن کے جال میں

اس کے سوا اب کیا کہوں مجھ کو کسی سے کد نہیں
کہنا جو تھا وہ کہہ چکا بکنے کی کوئی حد نہیں

جنس واحد وہ ہیں کچھ مسجد میں کچھ کمپو میں ہیں
فرق اتنا ہی ہے وہ جنگل میں ہیں یہ زو میں ہیں
(دوسرے مصرعے دو ہیں) ایک شوکت اور ضیاء الدین وضع و خو میں ہیں

قطعات

ہیں زمانے میں بہت صاحب جس کی قسمیں
سب سے اچھا ہے وہی ذوقِ فنا ہو جس میں

خوبصورت ہیں بہت آپ مجھے پیار آیا
شاعری کی تو کوئی بات نہیں ہے اس میں

یہ تصوف کہاں یہ جوگ کہاں
ہو چکے بس اب ایسے لوگ کہاں
میل دنیا سے چھوڑ دیے اکبر
آپ کا دل کہاں یہ روگ کہاں

ملی ہیں دل سے جو مجھ کو وہ نازک اطلاعیں ہیں
خدا ہے اور فطرت صرف اس کی شعاعیں ہیں
جوانی کی بہار باغ کی عمر دو روزہ کی
مرے دیوان کی نظموں میں کیا کیا الوداعیں ہیں

اولیاء اللہ جو ہیں زندۂ جاوید ہیں
بعد رحلت بھی جہاں میں مرکز امید ہیں

جو لوگ کمپ میں ترکِ نماز کرتے ہیں
سنا ہے قوتِ شیطاں پہ ناز کرتے ہیں

ہو چکا نشو و نما وہ لطفِ نیچر اب کہاں
حلقۂ اعدا میں ہوں آغوشِ مادر اب کہاں

اب شیخ جی مقیم برہمن کے پاس ہیں
گائیں اچھل رہی ہیں قصائی اداس ہیں

کبھی ہستی سے غافل اور کبھی پرجوش رہتا ہوں
جو ہوش آتا ہے وجد آتا ہے یا بیہوش رہتا ہوں

یہ نہیں شوق کہ لذات سے محفوظ رہوں
ہاں یہ خواہش ہے کہ آلام سے محفوظ رہوں

یہ ممبری کی دھن میں مذہب سے منحرف ہیں
مسجد میں متحد تھے ووٹوں میں مختلف ہیں

شیخ جی تو گردشوں پہ پہلے سے تیار ہیں
مجتہد مرکز تھے لیکن وہ بھی اب پرکار ہیں

اور یار تو نہیں ہے قوم کے دمساز ہیں
شیخ جی صاحب مگر بے حد کلکٹر باز ہیں

خواہ دو فرسخ چلیں وہ یا فقط اک گز چلیں
ان خطوں میں یک رخی ہے جو سوئے مرکز چلیں

قرآں کو سمجھ لیں گے الف لے پاس تو ہو لیں
والناس کبھی پڑھیں گے ذرا ناس تو ہو لیں

عقل گم ہے مرضیٔ خلاق جن و انس میں
ایسا ماہر کر دیا شیطان کو سائنس میں

دماغ و دیدہ و دل کو بہت معذور پاتا ہوں
اب اپنے آپ کو میں زندگی سے دور پاتا ہوں

منکروں سے بحث میں ہم صاحبِ تکبیر ہیں
ظالموں کے سامنے انسانِ باتدبیر ہیں

وہ کہتا ہے جو سفاک اس کو کہہ کر یاد کرتا ہوں
کہ میں تیرہ بدن سے خون کو آزاد کرتا ہوں

دین کی دیوار میں اب گولیوں کے چھید ہیں
چھوت چھات ان کی ہے مشکل یہ خدا کے بھید ہیں

جو مشکلیں پڑی ہیں محسوس کر چکا ہوں   چارہ کوئی نہیں تھا افسوس کر چکا ہوں
افسردہ دل میں شاید ہی اب وہ آئے   طولِ امل کو اکثر مایوس کر چکا ہوں

علی گڑھ میں حریفانہ ترنگیں   پڑھے لکھے مسلمانوں میں جنگیں
ہمیں تو کر رہی ہیں سخت مایوس   تمھیں کو ہوں ترقی کی اُمنگیں

ہستیِ حق کا تصور ہے تو ہم تم اب کہاں   آفتاب آیا، نمودِ بزمِ انجم اب کہاں
شاخ گاندھی کیپ سر پر دوستوں کے لگ گئی   وہ کلاہِ ترک اور پھندنے کی وہ دُم اب کہاں

بھائی گاندھی خودسری کی آرزو کے ساتھ ہیں   اور صاحب لوگ غربی رنگ و بُو کے ساتھ ہیں
مالوی جی سب سے بہتر ہیں مری دانست میں   یعنی مندر میں ہیں اور اپنی گئو کے ساتھ ہیں

حامی ، راہِ خدا ہی تو کیا کروں   ہوش آفریں ہی ہوش رُبا ہو تو کیا کروں
الفاظ پر مُصر ہے بجا اعتراضِ شیخ   مطلب مگر جو یوں ہی ادا ہو تو کیا کروں

مُنھ سے الفاظ کچھ نکالے ہیں   چپ ہیں وہ جو سمجھنے والے ہیں
شیخ جی کو ذرا کھُلانا ہے   لالہ صاحب تو دیکھے بھالے ہیں

بُت بن گئے خود شیخ تو گاندھی سے لڑے کون   صاحب بھی ہیں خاموش تو آفت میں پڑے کون
ٹوہیں، ترقی کے رسالے کے ہیں داغی   اور ایڑ بھی آر کا ہے، پھر کیسے اُڑے کون

خدا کے باب میں کیا آپ مجھ سے بحث کرتے ہیں   خدا وہ ہے کہ جس کے حکم سے صاحب بھی مرتے ہیں
مگر اس شعر کو میں غالباً قائم نہ رکھوں گا   مچے گا غُل، خدا کو آپ کیوں بدنام کرتے ہیں

ہند ہو یا عربستان کہیں رہ کے مروں   یہ ضروری ہے کہ کچھ رنج و الم سہہ کے مروں
یاں کسی نقش کو گردوں نہیں جمنے دیتا   اللہ اللہ کے سوا اور میں کیا کہہ کے مروں

عقل کے کوچے میں میں نے پاؤں رکھا ہی نہیں   میرے سینے میں دلِ ہوش آشنا تھا ہی نہیں
لوگ کہتے ہیں کہ اکبر سمجھ سے کام لے   کس کو کہتے ہیں سمجھ، اس کو میں سمجھا ہی نہیں
بندۂ شیطاں کو حُسنِ بت نے مفتوں کر لیا   بندۂ اللہ نے اس سمت دیکھا ہی نہیں

ہر قدم پر یاں دل مومن کو کھٹکا ہی رہا — یعنی پھندوں کے سوا دنیا میں کچھ تھا ہی نہیں

ہم نزع میں رہیں گے مرنے کا ڈر نہیں ہے — بت زہر دے رہے ہیں عیسیٰ جلا رہے ہیں
اسلام و شرک کو وہ خود ہی ملا رہے ہیں — دونوں کو ہوم رولی و سکی پلا رہے ہیں

وہ صاحب ہیں پرندوں پر سنوں بارود اڑتی ہے — یہ بابو ہیں کمیٹی میں گپیں بے سود اڑاتے ہیں
الہ آباد میں ہیں ہم تو اب مہمان اکبر کے — سخن کی چاشنی چکھتے ہیں اور امرود اڑاتے ہیں

ثواب جب ہے کہ ناخوش ہو اس بنا پر تم — دلوں کو طاعت حق سے یہ دور کرتے ہیں
نہ یہ کہ عیش ہمارا کیسا انھوں نے تلخ — ہمیں ضعیف سمجھ کر غرور کرتے ہیں

مدح کم حسن عمل کی ہے یہاں — رہتے ہیں سب طعن ہی کی تاک میں
سربلندی میری سجدے سے ہوئی — بت ہنسے مٹی لگی ہے ناک میں

رفیق شیطاں چہک گئے ہیں، معین آدم دبک گئے ہیں
سنائیں کیا تم کو قول فیصل کہ غور کر کر کے تھک گئے ہیں
ہمارا چلنا وہ رینگنا ہے جو کچھوے سے بھی ہنسیں بجا ہے
مگر زباں پر وہ زمزمے ہیں کہ سن کے بلبل پھڑک گئے ہیں

بھائی اکبر نے پڑھ دیا یہ شعر — جب کہا ان سے آپ کچھ تو کہیں
نام ہندو کا، کام صاحب کا — شیخ جی بھی گزٹ میں بیٹھے ہیں

دے خواہ نہ دے یا واپس لے، داتا سے لگی ہے دل کی لگن
جو کچھ بھی ملا ہے شکر اس کا چھن جائے اگر تب بھی ہیں مگن

جیتے روز ہے جینا جیتے ہیں ان کھاتے ہیں جل پیتے ہیں
سامان حفاظت کچھ بھی نہیں ہے، پاس نہ اپنے سورڈ نہ گن

نوید تو دے رہی ہے پیری، لحد میں جب سر دھروں تو جانوں
خبر تو مدت سے سن رہا ہوں مگر یہ کیا ہے کہ مروں تو جانوں

ہادی تو ملیں منزلِ دلخواہ تو پائیں — چلنے کو ہیں تیار، کوئی راہ تو پائیں
کیا برکتِ انفاسِ بزرگاں کے ہوں طالب — سنتے ہیں کہیں قلبِ حق آگاہ تو پائیں
یکسوئی و تقوٰی بھی بڑی چیز ہے اکبر — لیکن یہ نہیں دے اگر اللہ تو پائیں

فلک دبے گا نہیں اور زمیں ہٹے گی نہیں — بغیر رنج والم زندگی کٹے گی نہیں
سمجھ رہا ہوں بڑھیں گی مصیبتیں لیکن — تمھارے ساتھ محبت مری گھٹے گی نہیں
امید نے تو خوب کھڑی کی ہیں دیواریں — زمانہ کہتا ہے یہ چھت کبھی پٹے گی نہیں

سینگ ہے پھر بھی وہ جھکائے ہے سر — آپ بے سینگ سر اٹھاتے ہیں
حامیٔ گاؤ ہیں اسی سے بہت — اس کو کم لوگ منھ لگاتے ہیں
اس کے گوبر سے لیپتے ہیں مکاں — اونٹ کی مینگنی جلاتے ہیں

اس سوچ میں ہمارے ناصح ٹہل رہے ہیں — گاندھی تو وجد میں ہیں، یہ کیوں اچھل رہے ہیں
نشو و نما سے کونسل جن کو نہیں میسر — پبلک کی جی میں اُن کے مضمون پل رہے ہیں
ہیں وفد اور اپیلیں، فریاد اور دلیلیں — اور کبر مغربی کے ارماں نکل رہے ہیں
یہ سارے کارخانے اللہ کے ہیں اکبر — کیا جانئے دم زدن ہے، یوں ہی یہ چل رہے ہیں

عمر کم رہ گئی، دلکش کوئی تمہید نہیں — اب بظاہر مجھے دنیا میں کچھ امید نہیں
رمضان ہیں جو رہے صوم سے محروم اکبر — سامنے اُن کے بھی حلوا ہے، مگر عید نہیں

شیخ ہوں یا مجتہد یا برہمن — بار ہے سب پر زمانے کا چلن

یادِ خدا جو ہوگی ترے دل میں جا گزیں — جو کچھ کہے گا، بات تری ہوگی دل نشیں
غفلت ہی کے فسانوں سے جب دل کا ہو شوق — ہو جاتی ہے ضرورتِ صرفِ چناں چنیں
تحسین عدوِ دیں جو کرے اس پہ کیسا ناز — ان کی قبول ڈھونڈھ جو ہوں صاحبِ یقیں
جھنڈی لگا دوٹوں سے نہ کر دل کو زیر بار — ہمرنگ و ہم نوا ہوں، وہی خوب ہمنشیں

انقلابوں پہ نظر جن کی ہے، وہ شاد نہیں — آج تو شاد وہی ہیں جنھیں کل یاد نہیں

یہ تو سمجھے کوئی قدرت ہے جہاں کی خالق
مگر افسوس یہ ہے عہدِ ازل یاد نہیں

وضعِ سابق کے تجسس میں ہوا ہوں مایوس
گھر جو اس قطع کے کچھ ہیں بھی تو آباد نہیں

کہہ دو مرغانِ چمن سے کہ ہوا اور ہے اب
زمزمے جن کو خوش آئیں یہ وہ صیاد نہیں

نئی منطق اب ہوئی خضرِ رہ، وہ طریق اپنا رہا کہاں
وہ اصول ہی جو شکست ہوں تو وفائے دل کی بنا کہاں

کوئی ڈارون کا مرید ہے، کوئی تجربوں کا شہید ہے
وہ خیالِ سِرِّ ازل کہاں، وہ سُرورِ یادِ خدا کہاں

نہ حدیثِ عشق کہیں رہی، نہ وہ شانِ حُسن حسیں رہی
دل و دردو شوقِ لقا کہاں، وہ حجاب و لطفِ جہاں کہاں

نہ کلی کی اب رہی وہ چٹک کسی پھول میں ہے نہ وہ مہک
وہ سماں کہاں اور وہ رُت کہاں وہ تُرنّم کہاں وہ ہوا کہاں

نہ محبتوں کا وہ ساز ہے، نہ بزرگیوں سے نیاز ہے
وہ ادب کہاں وہ وفا کہاں، وہ خلوصِ دل کی ادا کہاں

نہ اس انجمن کی وہ بات ہے نہ وہ دن ہے اب نہ وہ رات ہے
نہ وہ دل ہے اب نہ وہ ذوق ہے، وہ اثر کہاں، وہ مزا کہاں

نہ فریب و زور کی ہے روش، کہ خزاں پہ ہوتی ہے وارِ نش
وہ بہارِ لالہ و گل کہاں، وہ چمن کہاں، وہ صبا کہاں

ہوئی ہے پرانی یہ داستاں اور اٹھا ہے اب یہ سپئے فغاں
نہیں اکبر اپنے حواس میں، کوئی اس سے پوچھے یہ تھا کہاں

سکوں ہوتا نہیں دل کو مرادیں بر نہیں آتیں
یہ آہیں عرش تک جاتی تو ہیں کچھ کر نہیں آتیں

شبِ غم کو بسر کر صبحِ راحت کی امید دل میں
ہلا اُن سے نہ اُٹھ، خاموش رہ کر بس یہ نہیں آتیں

جو صرف عشق ذہنی تو میں ہیں، تن سے ہیں غافل سبھا کی ہیں جو پریاں اکثر اپنے گھر نہیں آتیں
ہماری گردنیں تو صرف مسجد ہی میں جھکتی ہیں مگر دیکھیں کہ یہ کب تک تہ خنجر نہیں آتیں

ردیف و

جو باتیں نیک ہیں، بس اُن کو چُن لو
ڈِزرُو اینڈ وِن ڈزائر کو بھی سُن لو

اخبار میں حال مرا شائع نہ کرو
مصروفِ دُعا ہو، وقت ضائع نہ کرو

اُن کی دلچسپی کی خاطر غُل مچانا ہے ضرور
ہے یہ گستاخی، وہ چاہیں کھیلنا، تم چُپ رہو

کیا ہوں مسافرانِ رہِ غرب متحد
اُس نے الگ کیا ہے پسنجر سے میل کو

دنیا تو اسی گھر کی کنیز آج ہے اکبر
صاحب سے ہو بیزار، تو دنیا کو بھی چھوڑ دو

وہ زیست کیا کہ تمنائیں تیری ہوں بے شرم
حیات یہ ہے، تمنا کے سر پہ شرم بھی ہو

نہ صاحب کو مارو نہ صاحب سے بھاگو
مچائے رہو غُل، پِٹّو اور مانگو

متحد یورپ کی قوت ہو تو ہو
ہم بھی اب ہیں گلّو گنگو اینڈ کو

خود اُٹھنے دیتے ہیں وہ فتنہ ہائے بے حقیقت کو
کہ تا حاصل کریں اُس کے فرو کرنے کی لذّت کو

اپنی وحدت کو تم آلودۂ کثرت نہ کرو
جان امانت ہے، امانت میں خیانت نہ کرو

باطن کا جمال آئے بھی نظر اور رازِ درون ظاہر بھی نہ ہو
آسان نہیں ہے اے اکبر، عاشق بھی بنے کافر بھی نہ ہو

خلافت کی جو دھجّی دی گئی ہے پھاڑ لو اُس کو
مسلمانوں کے دل میں ہو جو کچھ پھر جھاڑ لو اُس کو

پر ہے تو اوج ڈھونڈھو، خر ہو تو گھاس دیکھو
ہم کیا سمجھائیں تم کو اپنی کلاس دیکھو

نہ ہو وہ وقت کہ خاطر کو انقباض نہ ہو
خوشا طریق کہ جس پر کچھ اعتراض نہ ہو

ہے اب تو اُنھیں کو دعوئ عقل، اللہ کا جن کو خوف نہیں
کم ملتا ہے ایسا بندہ کوئی کو دل بھی نہ ہو، کافر بھی نہ ہو

چھوڑ امریکہ کی سیر نہ جاپانگ کانگ تُو　　جو مانگنا ہے تجھ کو خدا ہی سے مانگ تُو

ہے ترقی سرجنوں سے شہر جب اَگندہ ہو　　آپریشن ہو چکا ہو اُس پہ جو باشندہ ہو

فدا ہو کیک پر تم آپ خود بسکٹ پہ گرتے ہو　　تو پھر کیا بیکری کو منہدم کرنے کو پھرتے ہو

محلِ طعن نہ ٹھہراؤ اُن کے بچنے کو　　جو گاے چھوڑ رہے ہوں سور سے بچنے کو

رُباعی

جس بات کو مفید سمجھتے ہو، خود کرو　　اوروں پہ اس کا بار نہ اصرار سے دھرو
حالات مختلف ہیں، ذرا سوچ لو یہ بات　　دشمن تو چاہتے ہیں کہ آپس میں لڑ مرو

ہوٹلوں کو کیتھا مبارک ہو　　ریل کو یہ جیتھا مبارک ہو
گھر میں کھانے کو کچھ نہ تھا کل رات　　قوم کو "یہ نہ تھا" مبارک ہو

شعر کہتا ہے بزم سے نہ ٹلو　　داد لو، واہ کی ہوا میں پلو
وقت کہتا ہے قافیہ ہے تنگ　　چپ رہو، بھاگ جاؤ، سانس نہ لو

حضور عرض کروں میں جو ناگوار نہ ہو　　وہ یہ کہ موت ہی بہتر ہے جب وقار نہ ہو
الٰہی یہ چمنِ دہر مجھ پہ بار نہ ہو　　دکھا دے دُور سے رنگت گلے کا ہار نہ ہو

بدل گئی ہوں ہوائیں تو روک دل کی ترنگ　　نہ پی شراب، اگر موسمِ بہار نہ ہو
لطیف بن جو اُٹھے سوزِ غم سے دردِ جگر　　نہ پھیر منھ کو فلک سے، زمیں پہ بار نہ ہو
مجھے بھی دیجیے اخبار کا ورق کوئی　　مگر وہ جس میں دواؤں کا اشتہار نہ ہو
جو ہیں شمار میں کوڑی کے تین ہیں اس وقت　　یہی ہے خوب کسی میں مرا شمار نہ ہو
میں کیا کروں کہ بچے اُن کے خانساماں سے　　چمار کیسے بنے وہ کہ جو چمار نہ ہو
گلہ یہ جبر کا کیوں کر رہے ہو اے اکبر　　سکوت ہی ہے مناسب جب اختیار نہ ہو
نہیں ہوں میں کسی گنتی میں پیشِ اہلِ جہاں　　خدا کرے کہ قیامت میں بھی شمار نہ ہو

قطعہ

بھائیو! یہ ناتوانی چھوڑ دو ۔۔۔ بھائیوں سے بدگمانی چھوڑ دو
عیب پوشی میں رہو مصروفِ کار ۔۔۔ طعن و تشنیع زبانی چھوڑ دو
ہندی کافی ہے بعد اِس کے سکوت ۔۔۔ غصّہ اور لاٹھی چلانی چھوڑ دو

متفرق

ہوں مبارک حضور کو گاندھی ۔۔۔ ایسے دشمن نصیب ہوں کس کو
کہ پٹیں خوب اور مرتبہ اٹھائیں ۔۔۔ اور کھسک جائیں جب کہو کھسکو

ہو تیزیٔ الور کی جو ہوس، ہنگامہ کرو، توپوں سے بھِڑو
گاندھی کی جو حکمت خوش آئے، چُپ چاپ گزی کے تھان بُنو
صاحب کی رفاقت ہو جو پسند، آسام میں جا کر چائے چُنو
اکبر کو جو مانو خود عا ہو حمدِ خدا کے گیت سُنو
(اکبر کی جو، تو بیٹھ رہو، جو کچھ بھی ہو لیکن صبر کرو)
(اور حمدِ خدا کے گیت سُنو)

شاید مرے سخن نے یاروں کو خوش کیا ہو ۔۔۔ اُس کو تو بس وہ سمجھے جو مر کے پھر جیا ہو
مقبولیت پہ اپنی کیوں ناز ہو نہ مجھ کو ۔۔۔ جب اس جنون پر بھی ہر شُو بپا بپا ہو
واعظ سے کچھ میں کہتا، لیکن یہ حکم اُس کا ۔۔۔ منہ بند کر کے بیٹھو، بادہ اگر پیا ہو
افسوس ہے وہ اُٹھے نقلِ گزشت میں اکبر
جس کو خدا نے ایسا زورِ قلم دیا ہو

باہم یہ حریفانہ روش مٹ نہیں سکتی ۔۔۔ پہچان مگر حرمتِ اسلام کُشی کو
گو شرک ہے اخلاص ترا ہو نہیں سکتا ۔۔۔ ممکن ہو تو ہاں روک دے دشمن کی خوشی کو

علم و ایمان بھی ہو اور موقع دل خواہ بھی ہو یعنی ہو آنکھ بھی اور شمع بھی ہو راہ بھی ہو
یہی شرطیں ہیں لیے منزل مقصود اکبر سعی بھی چاہیے اور ہمت اللہ بھی ہو

مذاق خود پرستی بزم ہستی میں نہیں ہم کو
یہی دو کہ تصور جز تبسم بیٹھے ہیں ہم سم کو

انھیں مشق ستم کا شوق اور ہم باوفا عاشق
کہیں کیوں کر کہ بس اب صبر کی طاقت نہیں ہم کو

مقصود اگر یہ ہو اکبر محفوظ رہو آرام کرو
موقع کے مطابق بات کہو طاقت کے مطابق کام کرو

کہہ دو کہ زبون و زار ہیں ہم مجبور ہیں ہم ناچار ہیں ہم
فتووں پہ مصیبت کیوں آئے اسلام کو کیوں بدنام کرو

فقط یہی ہے خیال حق میں محدود قدرت کے ساتھ گم ہو
وگرنہ کتنا ہی علم رکھو قیاس ظلمت ہے اور تم ہو

مجھے کچھ اس میکدے میں ساقی نہیں ہے شرط نمود و زینت
میں بے تکلف ہوں پینے والا سبو ہو ساغر ہو یا کہ خم ہو

جھگڑا زمانہ حشر تک چپٹا ہے سب ہے آج کہتا ہوں کل ہیں صرف قیامت کے روز کو
پروا نہیں ہے آج کی ہے کل کی مجھ کو فکر کیا پوچھتے ہیں آپ مرے سوز و ساز کو

زیادہ ان سے رہو محترز کہ ہندو سے یہ خود ہی سوچ لو دل میں اگر نہ کچھ کد ہو
یہ چاہتے ہیں کہ فتنہ یہاں کا ہو موقوف وہ فکر میں ہیں مسلمانی نہ نا رد ہو

لغو ہے غرض ترک عبادت پہ ہے خموش بس چھیڑتے ہیں صوفیٔ خانہ خراب کو
مذہب و نیز ہیں ولایت سے شیخ جی اب صرف تنگ کرتے ہیں دیسی شراب کو

ردیف ہ

ہو چکی یاں کی سیر یا اللہ
عاقبت ہو بخیر یا اللہ

رکھ حرم میں مرا قدم ثابت
ہے کشش سوئے دیر یا اللہ

غرق غم ہوں کہ ہوں تو دریا میں
اور مگر سے یہ بیر یا اللہ

ہم سے لاٹھی بھی اٹھ نہیں سکتی
اور ادھر سے ہے فیر یا اللہ

اپنوں میں دے محبت و قوت
ہم پہ ہنستے ہیں غیر یا اللہ

بے قراری نے جو پائی ہے ابھرنے کی جگہ
دل کو ملتی نہیں سینے میں ٹھہرنے کی جگہ

ہوگا جینے کے لیے اور ہی عالم کوئی
اس میں کچھ شک نہیں دنیا تو ہے مرنے کی جگہ

حکام ہیں خزانۂ و توپ و رفل کے ساتھ
خدام ہیں شگوفۂ ترکِ عمل کے ساتھ

بازو میں یاں نہ زور گلے کو نہ شوق شور
ہم تو مشاعرے میں ہیں اپنی غزل کے ساتھ

دورِ فانی میں مزا کیا ہے خیالات کے ساتھ
کہ خیالات بدل جاتے ہیں حالات کے ساتھ

دیکھ کر حضرتِ اکبر کو خدا یاد آیا
یہ مصیبت کا ہجوم ایسے کمالات کے ساتھ

متفرق

کہا ان کے بیرے نے گو ہوں شریک
خیالات ہیں گاندھی بابا کے ساتھ

میں سمجھوں گا لیکن یہی ہوم رول
تعلق جو ہو جائے آیا کے ساتھ

نامِ خدا تو لیتا ہوں لیکن بغیر ذوق
افسوس ہے کہ دل نہیں دیتا زباں کا ساتھ

خدا خدا کرو خاموشی و ادب کے ساتھ
فضول حجت مناسب نہیں ہے سب کے ساتھ

یہ بات کہ کچھ نہیں ہی سب کچھ سمجھے ہو تو بس کہو نہ اب کچھ

جان لینا سہل ہو سائنس کا کرتب ہی یہ جان دینا سہل ہو یا صند ہی یا مذہب ہی یہ

رنگ اس کا زعفرانی اور مزہ چکھو تو واہ ہو اک تحفہ برائے انتظام الدین شاہ

نیٹو کی ہی تنخواہ اگر سو سے زیادہ اس وقت وہ ہی قیصر و خسرو سے زیادہ

ردیف ی

انقلاب آیا نئی دنیا نیا ہنگامہ ہے
شاہ نامہ ہو چکا اب وقت گاندھی نامہ ہے

ملا کرتے تھے جو مضمون مجھ کو ذکرِ گاندھی سے
خدا جانے کدھر وہ اڑ گئے شملے کی آندھی سے

یہی گانا تھا کل جب پی رہا تھا ایک پاگل ٹی
تو ساقی جو ہو پولیٹیکل بس یہ ہے لا ٹی

کرتے ہیں مجبور عاشق کو شرارت کے لیے
تاکہ موقع پائیں مشقِ کید و طاقت کے لیے

لنگی اور دھوتی بہت تنگ آئی تھی پتلون سے
لیکن اب پتلون ڈھیلی ہے اسی مضمون سے

سنیں ذکرِ حضرت دلی ذوق سے
تناول کریں ماحضر شوق سے

سبھا رچانے میں سب کی شرکت خوشی ہے اس کی کہ تم نہ چھوٹے
مگر زبانوں کا فیصلہ ہے مہاتما جی کی جے نہ چھوٹے

خرد پوچھتی ہے یہ کیسا ہو رہا ہے
صدائے دلی ہے خدا ہو رہا ہے

ہوا کفر آفریں ہے اور عالی شان منظر ہے
کبھی لاحول ہے لب پر کبھی اللہ اکبر ہے

فیصلہ اچھا ہے قانون اس سے کیوں ناخوش رہے
آپ جو چاہیں کہیں ورنہ جو چاہے کہے

اس خرابی کو کریں کیوں کر گوارا ہائے ہائے
بیچ ان کے ہے نہ عمامہ ہمارا ہائے ہائے

اس پہ یقین کرنا دشوار ہے کہ انسان
دنیا کو جان بھی لے اور اس کو منہ لگائے

دیا سلائی کی تیزی تو آ گئی ہم میں
کسر یہی ہے کہ ڈبیا انھیں کی جیب میں ہے

یہی مرضی خدا کی تھی ہم اُن کے چارج میں آئے
سرِ تسلیم خم ہے جو مزاجِ چارج میں آئے

ہے عبادت کو فقط مسجد کی صف
اور سب مجمع ہے کھانے کے لیے

شکرِ گاندھی کو ہتھیاروں کی حاجت کچھ نہیں
ہاں مگر لیے انتہائے صبر و قناعت چاہیے

وہی بچے ہیں رُکے جو قناعت کے لیے — جو بڑھے ہیں وہ یقیناً ہیں ہلاکت کے لیے

فکرِ دنیا میں مرا دل کب تک اپنی جان دے — یا الٰہی اس کو اپنا کر لے اطمینان دے

علتوں کو تو خود کیا پیدا — اب یہ معلول پر فغاں کیسی

اب لیڈری پہ تنگ ہے وسعت پریس کی بھی — خوش ہو چکے کہ آپ کے فقروں میں آ گئی

کہتے ہیں وہ کہاں ہے آخر کہیں تو وہ ہے — اس کا جواب یہ ہے جب میں نہیں تو وہ ہے

ہے سلسلہ اور دونوں کا کچھ فرق جو ہے بس اتنا ہے
ملّا کا تو پکا کھاتا ہے درویش کا کچا چٹھا ہے

میں یہ کہتا ہوں کہ مجھ کو کچھ نہ کہنا چاہیے — کیوں کہا یہ بھی اگر خاموش رہنا چاہیے

عطر ایسا تھا کہ کپڑوں سے نہ نکلی کچھ بھی وفا — اس کی خوشبو تک ہی میں جذب ہو کر رہ گئی

تعجب کا محل کیا ربط آپس میں اگر کم ہے — کہ اُن کی اور دنیا ہے ہمارا اور عالم ہے

عمر گزری نہ ہوا کوئی جہاں میں میرا — اب دعا یہ ہے کہ یارب مجھے اپنا کر لے

مدح مرزا سلطان احمد صاحب

علم بھی زور بھی زر بھی اطمینان بھی — فلسفہ بھی خوش سیرتی بھی اور ایمان بھی

کفر کا بھوت سر پہ آیا ہے — حرص نے فکر میں پھنسایا ہے

مشتبہ تیری دعا کا ہے اثر اکبر بھی — رزولیوشن کے بنانے سے مگر بہتر ہے

یوں گیس کے ساتھ اڑ لیے گوبر کے ساتھ لیپے — دونوں ہی میں زحمت ہے للہ کہیں چھپیے

بھائی گاندھی کا نہایت ہی مقدس کام ہے — رام پوری ساتھ ہیں اور رام ہی کا نام ہے

نہ چھوڑو بھائی گاندھی کی حضوری — کھلا ہی دیں گے تم کو رام پوری

سن لو یہ بھید ملک جو گاندھی کے ساتھ ہے — تم کیا ہو صرف پیٹ ہو وہ کیا ہے ہاتھ ہے

مفر فریادیوں سے اپنے تم ہرگز نہ پاؤ گے — اثر میں تیز ہو گی آہ کو جتنا دباؤ گے

جو پوچھا میں نے "حضرت میری عزت کیوں نہیں کرتے" — تو وہ بولے کہ "تم اظہار قوت کیوں نہیں کرتے"

اٹھتے ہیں نامِ خدا لے کر، مگر کس کو ہے علم — کون اس کے ساتھ ہے اور کون اپنے ساتھ ہے

کلیسا کے مقابل آج شکلِ میرا جینا ہے — کہ غیروں پر اُسے غصہ ہی ہے، مجھ سے تو کینا ہے

نام میں گاندھی کے ہے دلچسپ یہ صنعت نہاں — آن بھی اس میں گائے بھی اس میں دہی بھی گھی بھی ہے

نہ مولانا میں لغزش ہے نہ سازش کی ہے گاندھی نے — چلایا ایک رُخ اُن کو فقط مغرب کی آندھی نے

شبِ غم ہو سحر، دنیا میں اس کی کون صورت ہے — ہماری صبحِ امید اب فقط صبحِ قیامت ہے

اِدھر ہیجان حسرت کا، اُدھر تمکین تقوے کی — زلیخا کی نظر ہے اور یوسف کی جوانی ہے

تم دوسری مچان پہ بیٹھو، نہیں ہے حرج — بس اتنی بات ہو کہ نشانہ وہی رہے

یہ دعویٰ ہے مرا اس پر، مرے دل کی گواہی ہے — ہوا جو کچھ، جو ہوتا ہے، جو ہوگا، سب خدا ہی ہے

وعظ یہ کہیے، اگر اصلاحِ نیشن چاہیے — نفس کی خواہش سے تن کو آپریشن چاہیے

آلودگیِ غلیظ سے افسوس ناک ہے — کیا آنکھ سے تمہاری کئی کوس ناک ہے

پاؤں میں اُن کی تم نے زنجیر کیوں نہ باندھی — بولے کہ شیخ بن کر اُٹھے نہیں ہیں گاندھی

رات ان کو آپریشن کی جو اُس نے ٹھان لی — ہوگیا لاچار میں آخر رضائی تان لی

عمر تو مجلسِ درگاہ میں کاٹی ساری — آخری وقت میں کیا خاک وہابی ہوں گے

نہ تن میں خوں، نہ رگوں میں جہند گی باقی — خدا کی شان کہ پھر ہے بھی زندگی باقی

بے حد بُت خود آرا طناز ہوگیا ہے — لیکن زوال کا بھی آغاز ہوگیا ہے

مہاتما جی سے مل کے سیکھو، طریق کیا ہے، سبھاؤ کیا ہے

پڑی ہے چکر میں عقل سب کی، بگاڑ تو ہے بناؤ کیا ہے

کیوں قرابت کی تھی تم نے خانساماں گنج سے — ہیں انڈے کے نواب، فائدہ کیا رنج سے

جنگ باہم اور کینٹ دیکھیے — مرنے والوں کا یہ جینا دیکھیے

خطر ان میں ہے جن باتوں پہ جی ہے — یہ رنگِ ملک، یہ حالات، ہے ہے

جلوے جو نہ ہوں ایرشپ کے — صاحب سے کسی کا دل نہ چپکے

مذہب مرا صحیح میری پیٹھ ٹھونکیے ۔ لیکن مجھے بھی حکم یہ ہے بھاڑ جھونکیے

خواہان ممبری نہیں مذہب کے کام کے ۔ جو ہیں بنے ہوئے ہیں یہ غربی گودام کے

اس سیزن پر بھی دنیا کی وہی رفتار ہے ۔ زندگی بے چین ہے اور موت محو کار ہے

ہم کو اس سے کچھ نہ مطلب ہے نہ قیل و قال ہے ۔ ان کے سر پر اب تخفیف کی شامت اعمال ہے

ہمارے ملک میں سرسبز اقبال فرنگی ہے ۔ کہ تن کو آپریشن میں بھی شاخ خانہ جنگی ہے

ابھارا تھا بہت دے جان جان شوق مانی نے ۔ مگر ہمت نہ بندھنے دی تری دیر آشنائی نے

گیسوئے مس کے دام میں اکبر حسین ہے ۔ اس چین پر ہو فتح تو پھر دل کو چین ہے

کرداگر کو والیس بھائی جی کی چٹھی آئی ہے ۔ ارے یہ کیا غضب ہے لاٹ صاحب کی دہائی ہے

دھڑکوں سے طبیعت مضطر ہے دل سینے میں سہما جاتا ہے
تسکین ولیس دیتی ہے جب گھبرانے کو وہم آتا ہے

کہتے ہیں تیری سے رب مسلم کو تو سزا دے ۔ جو بن گئے تھے مسٹر چیلا انھیں بنا دے

کمیٹی میں جو ان کو آپریشن نے علم گاڑے ۔ تو لیں گنگو نے لہریں اور سپرو نے بھی پر جھاڑے

ہوا ہے حالات ہند اس وقت ان صداؤں میں نغمہ زا ہے
نہ مجھ میں غیرت نہ تجھ میں طاقت مجھے مزا ہے تجھے سزا ہے

سر تسلیم مذہب بھی ہے خم آگے محبت کے ۔ فنا کر دیتے ہیں کثرت کو جلوے بزم وحدت کے

کسی ہمت وصل دل حزیں کو نصیب کر دے
نہیں ترا قرب مجھ کو حاصل مجھے تو مجھ سے قریب کر دے

ہوا ہے ہمنشیں وہ ہے مری حیرت کے عالم کو ۔ کہ قوت ہو گئی ہے سلب امتیاز شادی و غم کی

جب تکلیفیں اٹھائیں نزع میں رک رک گئے ۔ لیکن اس سے خوش ہیں دنیا کے وہ سب جھگڑے گئے

نازاں اپنی خیریت پہ ہے انھیں اے اکبر ۔ پارک کی گھاس کا لیسنس جنھیں ملتا نہیں

نبایہ صاحب کے لوگ لندن کو بحث حق کے لیے سدھارے

مہاتما جی بنے ہوئے ہیں، وہ دیوتا کے ہیں دُلارے
معنی جو تھے وہ تو گئے، لفظوں کی صورت باقی ہے

عزت کا وہ حق باقی نہ رہا جینے کی ضرورت باقی ہے

دل شکستہ میں اک سازِ جاں نوازی ہے ــــ گذر رہا ہوں میں جس سے اسی پہ ناز بھی ہے

سائنس کے پرزوں میں کیا چرخہ بھی نہیں چلتی ــــ فقط چل سکتی ہے روٹی ڈبل روٹی نہیں چلتی

کبھی کلفٹن تھا لیکن اب ہے اُلفی کا پود ہے ــــ اِدھر ہے گیسوئے مس اور اُدھر گاندھی کا سودا ہے

نہ شیخ ہے نہ وہ ہے نہ مولوی ہے نہ باقی ہے ــــ نمود اُن کو مبارک بندہ تو جھگڑے کا ساتھی ہے

یہی منشا ہے بہ کر دہن خفتہ و جھکانا ہے ــــ شریعت سر جھکانا ہے، طریقت دل لگانا ہے

کیا نتیجہ ان حوادث کا نکالوں خلق پر ــــ آج تو فطرت بھی شاید خود ہی چکر میں ہے

ظلمت ٹپک رہی ہے اب دوربین فلک سے ــــ آنکھیں جھپک رہی ہیں شیطان کی چمک سے

جرمن کے جد گاندھی ہے یا کسی کی آندھی ــــ نادان سمجھ نہ اس کو، جس نے کمر نہ باندھی

سب لوگ کہتے ہیں کہ دنیا بیہوت ہے ــــ عامل کے واسطے ہی محالِ سکوت ہے

ہجرت کرو فضیلی میں اگر بھنگ سمائے ــــ اور یہ نہیں، تو جاؤ جدھر سینگ سمائے

دینی عدو کے سامنے گاندھی کی چل گئی ــــ تہمد پہ فیر ہو گئے دھوتی سنبھل گئی

چھوٹ حق کی ہے نہ یاں چھوٹے بڑے کی بات ہے ــــ حق کہاں کا، کیسی منطق، بن پڑے کی بات ہے

یہ گاندھی کو اڑانے سے گورنمنٹ ڈری ــــ شور ہر سمت سے اُٹھے گا کہ آندھی آندھی

سلطنت خفت ہوئی یاروں سے کہ دوڑ دھیں چلا ــــ نزع سمجھا تھا جسے قبض کی حالت نکلی

جو چاہی مال کی رخصتی، کہا یہ ایک ہندو نے ــــ کفایت سے چلو، ہو جاؤ گے تم ایک دن دونے

توبہ کرنا ہے، پڑا رہنا ہے اور مرنا ہے ــــ آپ کیا کہتے ہیں اب آپ کو کیا کرنا ہے

بڑی حالت مناسب ہے اگر اس سن کے لیے ــــ اچھے اب کیا ہو گے، اور ہو بھی تو کے دن کے لیے

سنا ہر ایک نے زبان قلم پہ کیا گذری ــــ مگر خدا ہی نے جانا کہ ہم پہ کیا گذری

ہر وقت یہی ہے درد اُس کو، جو راہِ خدا کا سالک ہے
اللہ ہمارا خالق ہے، اللہ ہمارا مالک ہے

شکر کرنے کے لیے امیدِ فردا اب اٹھے ایشیا میں جان آئی، یعنی شیعا اب اٹھے

بے فائدہ ہے اکبر اب تم کو شوق اُس کا سائنس کی شرک میں جنت بھی آگئی ہے

تیغِ زباں کی دیکھو، ہر سُو برہنگی ہے بابو کے حوصلے ہیں، صاحب کی دل لگی ہے

گاندھی سے کیوں ہو وحشت باطن کی مسٹری ہے شوکت سے کیوں نہ کھٹکیں اُن کی تو مسٹری ہے

جَے کی بھی صدا آئے گی، چرخے بھی چلیں گے
لیکن یہ سمجھ لیجیے، صاحب نہ ٹلیں گے

بامزہ ہے یہ عنایت حضرتِ سجّاد[1] کی لذتیں اب لوں گا آدرِغ رساول زاد کی

گاندھی نے مان لی ہے مدن موہنی صلاح ہندی تو تھے ہی، اب ہندنی بھی ہو گئے

طورِ زورِ آتش ہے، وہی ہے کبرِ شیطانی
بہت کچھ خاک اڑائی، پر نہ آئی بوئے انسانی

ڈھینٹھ جب حد سے سوا، یہ تن کو آپرو ہو گئے چپ ہوئے چنتامنی، حیران سپرو ہو گئے

ہمیں بھگوان کی کرپا نے تو بالو بنایا ہے
مگر یورپ کے شالا لوگ نے اُلّو بنایا ہے

شعرِ اکبر لیجیے، گاندھی کا چرخا لیجیے لیجیے برگد سے ہجرت، مجھ سے خرچا لیجیے

پارک کی خاطر تمھیں سرو و صنوبر چاہیے ہم کو چوکے کے لیے تھوڑا سا گوبر چاہیے

قوی تر کے مقابل سر کو خم کرنا ہی پڑتا ہے
اجل آتی ہے تو صاحب کو بھی مرنا ہی پڑتا ہے

---

[1] راجہ پور میں سجاد علی صاحب کے ہاں مشاعرہ ہوا۔ طرح تھی: "خیریت ہو یا الٰہی بلبلِ ناشاد کی۔"
اسی اثناء میں سجاد علی صاحب نے ہم کو رساول بھیجی۔

مدد خِرد سے کچھ اس انجمن میں مل نہ سکی — نگاہِ دل بھی نہ سنبھلی اور زباں ہل نہ سکی

شکر اُس کا بھی ہے واجب اُن کی خدمت بھی ضرور — جان دی اللہ نے اور نوکری صاحب نے دی

زندگانی ہو دراز اُن کی خوشی اقبال کی — مولوی صاحب کی نہ چلتی ہے نہ بنگالی کی

عشق ہی جانے کہ دل میں کیا اثر پوشیدہ ہے — نورِ عقل اس بزم میں سیماب آتش دیدہ ہے

ہمارے یار بزرگانِ محترم نہ ہوئے — سبب یہ ہے کہ کسی پارٹی میں ہم نہ ہوئے

ہیں خود دنیا میں مہمان دمِ چند اب ہوں اے اکبر
مواقع وہ کہاں باقی رہے مہمان نوازی کے

نفس کی مستی تھی اور دورِ شرابِ زندگی — لیکن اب غیرت ہے اور بارِ عذابِ زندگی

ایڈیٹری ہے خطرناک اس زمانے میں — لکھا تو خوب پر اُن میں مگر پکڑ ہی گئے

شگفتہ ہو کے قیام اپنا چاہتی تھی کلی — مگر ہوائے فنا آفریں سے کچھ نہ چلی

آپ کہتے ہیں ابھی تجھ کو بہت جینا ہے — کیا خوشی اس کی اگر خونِ جگر پینا ہے

یہ مدعی مرے ہوش کو کھو رہا ہے — وہی قدا دہی ہے وہی ہو رہا ہے

اکھ سمجھتا ہوں اُس کو میز پر آ جب لیٹی — یہ عروسی ہے تب تک کہہ رہی ہے ہاسپٹلی

جھوٹ سے سچ کو کون چھینتا ہے — آپ کہتے ہیں بندہ سنتا ہے

حضرتِ باری کی جو کاریں سامان ہے — تو نے سمجھ نعرۂ الحیاۃ لا یعقلون ہے

حامی ہوا جو گائے کا بے شک ذہین ہے — سمجھا یہ دل میں گائے کے سر پر زمین ہے

اے خود پرست سن لے وقعت کر اس سخن کی
ہر جان مستحق ہے تہذیب فقط ہے تن کی

کٹ[1] وا دی — قوم بے چاری اسی میں مر مٹی

اس تورے کی ترکیب آئی پسند سب کو — تعلیم نے کھلایا پھولنے لگی اب ترقی

[1] کالج و اسکول و یونی ورسٹی۔

نہ بحثوں پر لپکنا ہے نہ دلیلوں میں ہے گھسنا ہے
زبانِ عجز ہے اور لذتِ اسمائے حسنیٰ ہے

فرض لاعلمی بھی ہے اللہ سے ڈرنا بھی ہے
بات یہ ہے بھائیو جینا بھی ہے مرنا بھی ہے

مروت کبھی ہے کبھی خوف ہے
مضامین کا دل ہی میں طوف ہے

شریعت کا ساغر طریقت کی مل ہے
کہیں کل میں جزو ہے کہیں جزو میں کل ہے

ہو شریعت یا طریقت ہر ایک حق نما ہے
واں ہے خدا کا بندہ بندے کا یاں خدا ہے

کاٹ کا تو کچھ مضائقہ بعد کو تمہی نے لے لیا
شیخ جی کا اونٹ کس کل بیٹھتا ہے دیکھیے

چڑیا تو ہی تو ہی کی رٹ سے غل بر شجر ہے
تو کیوں میں ہی میں ہی ہے خلائق سے لبریز ہے

تمہاری چال راہ گذر سے ہے ذات تنگ دیکھی
جو ظلم کرے ان میں ہے تو تم میں ترس تک بھی

دید کے قابل اب اس اُلّو کا فخر و ناز ہے
جس سے مغرب نے کہا تو آنریری باز ہے

جھکائے رکھو سجود میں سر یہی دعا ہے یہی ہے عرضی
جو کچھ بھی گذرے اسے سہو تم خدا کی قدرت خدا کی مرضی

اس انتشار قومی کا تجھ کو کیسا گلا ہے
آندھی چلی ہے ایسی ذروں کی کیا خطا ہے

ہوا میں آپ کو اڑنا بھی آ گیا صاحب
یہاں تو مشق ابھی ہے فقط اچھلنے کی

قانون تنگ ہے نہ ہمت نازنیں بڑے
کہنا پڑا یہی کہ سب اچھے ہمیں برے

ساز گلو چھڑا ہے ہر سمت اک اپج ہے
لیکن ذرا سنو تو عقب عقب ہے یا کرج ہے

جو حق تیغ ہے اک شے تو حق توپ بھی ہے
اگر ہے عہد خلیفہ تو دور پوپ بھی ہے

سوئے جیل ٹولی مری بڑھ رہی ہے
گورنمنٹ پہ ہتیا چڑھ رہی ہے

اجل بولی کہ بس فرض اب تجھے خاموش رہنا ہے
بہت کہتا رہا بندہ ابھی کچھ اور کہنا ہے

بے سود آج تذکرۂ عدل و جور ہے
دنیا بھی ایک وقت تھا ان کا بھی دور ہے

دل سے کہہ دو کہ تجھ میں خامی ہے
زندگی خود ہی اک غلامی ہے

کیا بتاؤں حضرت ہوش ربا کے معنی
خود بخود کے وہی معنی جو خدا کے معنی

سائنس کی ترقی تو فیضِ ارتقا ہے
لیکن حضور گاندھی فرمائیے یہ کیا ہے

جو رغبت سے پھر رہے ہیں اہلِ دل روتے ہوئے
جائے حیرت ہے یہ بات، اللہ کے ہوتے ہوئے

کسی ولیِ خدا کا یہ قول سچا ہے
ازل کے سامنے پیرِ فلک بھی بچہ ہے

عاقل کی نظر مفید پہ ہے
تاجر گاہک کو دیکھتا ہے

تجلی مشرقی اچھی تھی مغرب کی تعلّی سے
وہ ذوقِ بے خودی اچھا تھا اس مہلک ترقی سے

آئین طرازیاں ہوں کہاں تک شعور کی
کچھ حد نہیں ہے وسعتِ شانِ ظہور کی

کپڑے کی گرانی اس درجہ اور آمدِ ماہ کا تنگ ہے
بس اس کے سوا کہہ سکتے ہیں کیا، اللہ ہی سب کا مالک ہے

ہے نمو اس کو خود اپنی قوتِ سیال سے
بے تعلق گلشنِ اکبر ہے نینی تال سے

ہر طرف تاکید کیوں چپ چپ کی ہے
بحث تو اب ایشیا یورپ کی ہے

ہو اگر وہ خطِ غلط، پنبہ بگوشی اولیٰ
جب مقدس ہو حماقت، تو خموشی اولیٰ

حال اور دل کا تم بھی دیکھ لیتے ہو کبھی
صدیوں کے حال سے اللہ ہی آگاہ ہے

ٹھونکتے تھے مردِ میداں ہی کی پیٹھ
اب ریزولیوشن پہ جج ہونے لگی

دھوم ہے ہند میں اب ڈاکٹر انصاری کی
سب سے بڑھ کر ہے صفت اُن میں ملنساری کی

اس کی کچھ پروا نہیں بربط بجے یا نَے بجے
وقت ہی نغمہ ہے، مجھ کو یہ بتاؤ کَے بجے

طبیعت اس تصور سے بہت مایوس ہوتی ہے
کہ بے یادِ خدا بھی زندگی محسوس ہوتی ہے

ہمیں کیا بالشویک آگیا یا روس آتا ہے
یہاں تو فکرِ سرمائی ہے، ماہ پوس آتا ہے

دیر میں ہنستے ہیں اب کعبے میں برسوں رہیے
شیخ جی کرتے ہی کیا، بابو کے پیچھے ہو لیے

علم وہ خوب ہے جو حسنِ عمل تک پہنچے
ذوق وہ خوب کہ جو رازِ ازل تک پہنچے

اک انتشار ہے دنیا کو ناصبوری سے
سبب یہ ہے کہ وہ محروم ہے حضوری سے

فنا پذیر کرشموں سے کیا ہو دل راضی
نگاہ پڑ نہ چکی تھی کہ ہو گئے ماضی

اشک دیں پونچھ دیتا ہے انز لاٹ صاحب کا دم غنیمت ہے

مولوی جیل میں بٹنے کو جو مونج اٹھتا ہے گنبدِ چرخ مری آہ سے گونج اٹھتا ہے

ملا سے کہو، ناخوش نہ رہیں معنی سے حجاب الاکبر کے

العلم سے مطلب صاحب ہیں، مالک جو بنے ہیں نیچر کے

گلا میں نے کیا، مجھ کو ترقی دی نہیں تو نے تو بولا اتقاچپ رہیے بس کیا آپ بندر تھے

جو یہ سچ ہے کہ دنیا بہرِ مومن مثلِ زنداں ہے تو اس پر رشک کیا، جو مطمئن ہے اور خنداں ہے

یہ جھائیں یوں ہی اگر آباد رہے گی دل ہی نہ یہ ہوں گے نہ یہ فریاد رہے گی

یہ دنیا سے دنی کیا ہے، بس اک ہمسایہ بستی ہے فزوں ہوتی ہے بیماری، اگر لذت پرستی ہے

مے فروشی کو تو روکوں گا، میں باغی ہی سہی سرخ پانی سے ہے بہتر مجھے کالا پانی

فریب و حرص و جبر و ظلم سے اکثر توسّل ہے ترقی مادّی جو کچھ ہو، اخلاقی تنزّل ہے

خیال کفر کے غلبے کا صرف دھوکا ہے جو دل ہو محوِ خدا، اُس کو کس نے روکا ہے

بامِ اُردو چھوڑ کر ہندی کی چھب پر آگئی سازِ اَبج کو چھوڑ کر پھر اپنی گت پر آگئی

حسن بھی ہے، زر بھی ہے اور خوش اقبالی بھی ہے ہے مگر افسوس اس کا، ہر طرف گالی بھی ہے

قوم مصروف ادھر ترکِ موالات میں ہے وہ اِدھر دل میں سمجھتے ہیں کہ سکرات میں ہے

نہ دنیا کی مجھے پروا، نہ اس سے مجھ کو نفرت ہے قناعت کی تو ہے تاکید، لیکن حکمِ خدمت ہے

رہوں میں محترز اس سے بلاشک ہے یہ دانائی مگر اس سوچ میں ہے دل، یہ حالت پیش کیوں آئی

ہر جوشش مراان کی ضوابط کا قُلی ہے چارہ ہی مگر کیا ہے، یہی راہ کھُلی ہے

قطعات

موقع نکل آئے ہیں بہت کُفر کی گوں کے
افسوس، مسلمان بہت دیر میں چونکے

ہے نفسِ بشر میں حسد و حرص کی اک آگ
شیطان ہی کا کام ہے، اس آگ کو دھونکے

[illegible] سمجھتے ہیں مسلمان اپنے
[illegible] غیبا کے سامان اپنے
[illegible] ہو رہیے
[illegible] الفاظ میں دو رہیے
[illegible] آئے گی
[illegible] غنچۂ دل کو کھلائے گی
[illegible] گیتا ہے
[illegible] جیتا ہے
[illegible] اگر تیامت بڑھے
[illegible] کھا حضرت بڑھے
[illegible] مشق مجھو عدبنانے کی
[illegible] اُس کو بھول جانے کی
[illegible] سینے میں اگر دل ہے
[illegible] خنجر قاتل چکے
[illegible] ہونا چاہیے
[illegible] میں رونا چاہیے
[illegible] ضبط ہے
[illegible] سب یہ ضبط ہے
[illegible] طرارلوں سے
[illegible] نمازیوں سے
[illegible]

وہ راہ پر آ گئے ہیں، لیکن کسی دن ان کا بھی خاتمہ ہے
کہا بہت خوب میرزا نے، رہے گا انگلش کا دور دورہ
قیامت آئے گی اور آخر کو حق اولاد فاطمہ ہے

ہند ہے مسکن مرا اور مغربی قانون ہے
دشمنی ہے زنار سے اور پاجامہ ہی پتلون ہے

کافر عشقم، مسلمانی مرا درکار نیست
حافظ ملت اگر ہے، تو یہی مضمون ہے

مقامی خضر ہیں گاندھی، روش سے ٹل نہیں سکتے
سمجھیں وہ جو کہ اس سانچے میں ڈھل نہیں سکتے

عنادافروز ہیں نعرے فقط اللہ اکبر کے
حریفان ہوس انگریز جی سے چل نہیں سکتے

تقویٰ کے چمن کی بھی کلی خوب کھلے گی
اس خوف کو تم چھوڑ دو، روٹی نہ ملے گی

یہ پولٹکل جرص، یہ ہنگامہ ہے بے سود
اس سے کوئی چیز اپنی جگہ سے نہ ہلے گی

عطا کر وہ جگہ یارب، جہاں ابر کرم برسے
نہ وہ جس جا زمیں پر فیر ہو گردوں سے بم برسے

تصویر خوب کھینچی اس بت کی کافری کی
اک دھوم مچ گئی ہے اکبر کی شاعری کی

برگڈ کی کھوڑیوں کو خالہ بنا کے چمکے
خیل عرب ہیں لیکن وہ رہ سکے نہ پچھلے

نغمات ساز اکبر کی لے کو کون سمجھے
ماہر نہیں ہیں ہم بھی اس تال اور سم کے

سب کی قوت سلب کر لو، بس یہی تہذیب ہے
بے ادب کر دو ہر اک کو، بس یہی تادیب ہے

آپ کی تزئین حیرت آفریں ہے اے جناب
بیشتر یہ ہے کہ جو تعمیر ہے، تخریب ہے

شعر میں معنیٔ دلکش سے مزا ہوتا ہے
صرف موزونیٔ الفاظ سے کیا ہوتا ہے

اک نظر ہم نے بھی دیکھا تھا کبھی دنیا کو
رہ گئیں پوچھ کے آنکھیں کہ یہ کیا ہوتا ہے

بے وقعت اسے زبان تکلف بیاں کا ہے
اصلی اثر جو ہے وہ دل بے زباں کا ہے

"وقت و مکاں" یہ لفظ ہیں سب کی زبان پر
لیکن یہ وقت کب کا، مکاں یہ کہاں کا ہے

کیوں کر کہوں کہ میری روش ٹھیک ٹھیک ہے
اتنا ہی ہے کہ ایک جماعت شریک ہے

کھاتے ہیں سر جھکائے ہوئے اس کی کیا خبر
مازو کا رویہ ہے کہ یہ خدمت کی بھیک ہے

اب جسے جس سے کچھ تعلق ہے — یا شماتت ہے یا تملّق ہے
راست گوئی خلوص دین ایماں — پالسی ہے یہ سب تصدّق ہے

ادھر اچھی جماعت ہے کہ گُتیاں پن میں ڈوبی ہے — ادھر کچھ ہے اگر تو صرف اکھڑپن کی خوبی ہے
مگر سب سے نرالا ہے مذاقِ حضرتِ عالی — غمِ خرسِ شمالی ہے، سرِ قطبِ جنوبی ہے

ترے اقوال میں بے سود حجت کی جھلک دیکھی — ترے افعال میں کافر پرستی کی چمک دیکھی
خدا آئندہ کچھ اصلاح کر دے فضل ہے اُس کا — مگر اچھی نہیں جو تیری حالت آج تک دیکھی

ساری دنیا بہم آمادۂ خوں ریزی ہے — یہ خدائی ہے کہ شاہی ہے کہ انگریزی ہے
طفلِ کالج کو سمجھ لیجیے اک پن نائف — بس قلم ہی کے لیے اس میں بہت تیزی ہے

غصے میں غریبوں کی وہ چیں چیں بھی چلی جائے — صاحب کے نشینوں کی وہ ہیں ہیں بھی چلی جائے
لیکن جو فنا پیشِ نظر ہو تو خدارا — کچھ خدمتِ اربابِ رہِ دیں بھی چلی جائے

اقوال کے وقت ہسٹری ہے — اعمال کے وقت پالسی ہے
مذہب رہتا ہے ست الفاظ — دنیا دنیا کو دیکھتی ہے

سوے کونسل قوم کے ایسے کرم فرما گئے — کیا تعجب ہے جو دل احباب کے گرما گئے

ہسٹری صرف اک فسانہ ہے — اس کی قدرت ہے اور زمانہ ہے
عقل کو چکر اور جنوں کو رقص — یہی فطرت کا کارخانہ ہے

دینِ خدا ہے حق کی تجلّی کے واسطے — دنیا اٹھی ہے اپنی تعلّی کے واسطے
عارف جو ہیں رہیں گے وہ اللہ ہی کے ساتھ — اللہ ہی ہے اُن کی تسلّی کے واسطے

تم کو اس بحث میں یہ کد کیا ہے — راویوں کا یہ مقبول و ردّ کیا ہے
سلسلہ جب نہ ہو حکومت سے — شیخ الاسلام کی سند کیا ہے

غافل خدا سے کام کیے بھی تو کیا کیے — عقبیٰ سے بے نصیب جیے بھی تو کیا جیے
اس دور میں وہ بادۂ حافظ کہاں نصیب — بن کر جو رند کوئی پیے بھی تو کیا پیے

پہونچانے گئے ہر چند اندھیری رات ہے
ان سے لرزاں ہے ہر اک لیکن یہ مشکل بات ہے

آسمانی کوتوالی پر لکھادی ہے رپٹ
حکم پایا استغاثہ زیرِ تحقیقات ہے

اُدھر بپھرے ہوئے صاحب ہیں اور زورِ ہوائی ہے
ادھر روٹھے ہوئے گاندھی میں شکوہ اور ڈھٹائی ہے

جو بزم کو چپ رہے تھے تنگ ہیں وہ ان بکھیڑوں سے
کدھر فریاد کو جائیں خدا ہی کی دُہائی ہے

نہ گاندھی کی رفاقت ہے نہ صاحب سے توسّل ہے
فلک کو دیکھتا ہوں بس خدا ہی پر توکل ہے

جو عاقل ہے وہ موقعے کے مطابق کام کرتا ہے
ہوا میں ہے تو شاہیں ہے قفس میں ہے تو بلبل ہے

ایمان گو یہ ظاہر اب تک بچا ہوا ہے
خطرے میں عاقبت ہے اک غل مچا ہوا ہے

بے چین ہے دھرم بھی منظور ہے بھرم بھی
سنسار کا تماشا اچھا رچا ہوا ہے

یہ جماعت دیکھیے یہ ڈھول تاشا دیکھیے
دوڑنا یاروں کا ایسا بے تحاشا دیکھیے

آپ نے طاقت کی تو جولانیاں دیکھیں بہت
ضعف کے میدان کا بھی اب تماشا دیکھیے

بصوم ہے ترکِ موالات میں اور نام بھی ہے
ما قد صاحب کے مگر امن بھی آرام بھی ہے

شیخ پر فیر بھی کرتے ہیں نمازی بھی ہیں آپ
مدد کفر بھی ہے رونقِ اسلام بھی ہے

باقی نہیں رہی وہ شورش ہوی تھی جتنی
دیکھی نہیں تھا چندہ غصے کی عمر کتنی

طاعت اگر نہیں ہے تقویٰ اگر نہیں ہے
ہنگامہ یہ غنیمت ہے میری بھی سن لو اتنی

کیوں کوئی آج ہر کا نام جپے
کیوں ریاضت کا جیٹھ سر پہ تپے

کام وہ ہے جو ہو گورنمنٹی
نام وہ ہے جو پائنیر میں چھپے

مسلم کامیاں پن سوخت کرو ہندو کی بھی ٹھکرائی نہ رہے
بن جاؤ ہر اک کے باپ یہاں دعوی کو کوئی بھائی نہ رہے

ہم آپ کے فن کے گاہک ہوں خدّام ہمارے ہوں غائب
سب کام مشینوں ہی سے چلے دھوبی نہ رہے نائی نہ رہے

طبعِ عاقل بیشتر مصروف اندیشوں میں ہے
یک رُخی اور محویت کچھ ہے تو درویشوں میں ہے

ہر تعلق کی ضرورت اس کو اور وہ ہے دلیر   گربہ آبادی میں ہے شیر ژیاں بیشوں میں ہے

انڈیا نے کمر تو باندھی ہے   کوئی شوکت ہے کوئی گاندھی ہے

لیکن اب بھی بہت سے ہیں اڑیل   صرف پتنگ ہے اور کاندھی ہے

اللہ ہی جانے کہ استغنا کدھر، خالی کون ہے   اب رہی حاجت تو یاں حاجت سے خالی کون ہے

ہو گیا رخصت بزرگی اور خودداری کا خیال   سب میاں خواری میاں ہیں اب تو قائل کون ہے

بھائی گاندھی نے ملک سے چھڑ لی   لاٹ صاحب کی پالسی پھیلی

تھے جو چلتے ہوئے وہ رک ہی گئے   لد گئی ان پہ کیش کی تھیلی

تھی اونچی ہوا پر موج اس کی اب سطح زمیں پہ بستر ہے

جب گرم تھا دل اک شعلہ تھا اب سرد ہوا خاکستر ہے

قشقہ کھینچا دیر میں بیٹھا قول یہ تھا جس کا اک دن

جاکٹ پہنی ہیٹ لگائی مسٹر تھا اب وہ مسٹر ہے

مغرب جب مل گئے ان سے تو پوچھا شیخ ہندی نے   چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

ہنر پتلون نے دکھلائے کھولے پیچ دھوتی نے   تصوف نے کہا بس چشم پوشی اور عریانی

متفرق

رباعیات وغیرہ

عجب شعر اختر سے میں نے سنا کل   جہاں تک کروں مدح اس کی وہ کم ہے

کروں اس کی تشریح کیا اس کی حاجت   پئے کشف حالت وہ خود جام جم ہے

سنو تم بھی وہ شعر اور لطف اٹھاؤ   غریبوں کا ہے دل اور زبان مجسم ہے

تعجب ہے وہ کس طرح جی رہے ہیں   جنھیں جان دینے کا ساماں بہم ہے

لہ مندرجہ بالا اشعار حسب فرمائش سید منظور حسین صاحب اختر افسر جنگلات بھوپال کہے گئے تھے۔

گاندھی تو ہمارا بھولا ہے، اور شیخ نے بدلا چولا ہے
دیکھو تو خدا کیا کرتا ہے، صاحب نے بھی دفتر کھولا ہے

آنر کی پہیلی بوجھی ہے، ہر اک کو تعلّی سوجھی ہے
جو چوکر تھا وہ سوجی ہے، جو ماشہ تھا وہ تولا ہے

یاروں میں رقم اب کٹتی ہے، اس وقت حکومت بٹتی ہے
کمپو سے تو ظلمت ہٹتی ہے، سب لے نور محلّہ ٹولا ہے

کٹ ہی جاتی ہے رات اے اکبر — دن کو دیکھا، گذر ہی جاتا ہے
جس کو لاتی ہے ہوش میں فطرت — جی ہی لیتا ہے، مر ہی جاتا ہے

شبِ وصال میں گاندھی کا وعظ آفت ہے — یہ حکم ہے کہ نہ بڑھیے لباس کی حد سے
ہر اک کی رگ میں نہیں ہے سکونِ رُوحانی — یہ ضبط سہل نہیں جذبۂ مجرّد سے
نگاہ دور ہی رکھو، خیال کافی ہے — بجز فساد کے حاصل نہیں کچھ اس کد سے

شیخ سعدی کا قول سب کو ہے یاد — نکتہ اس سے سمجھ لے یہ کوئی
دست[۱] از جاں نشستۂ اکبر — ہرچہ داری بدل چرا گوئی

بہار آئی مے گلگوں سے فوارے ہوئے جاری — یہاں ساون سے بڑھ کر ساقیا پھاگن برستا ہے
فراوانی ہوئی دولت کی صنّاعانِ یورپ میں — یہ ابرِ دورِ انجن ہے کہ جس سے دھن برستا ہے
ہنرمندی نہ ہو جن میں کہوں ذی علم انھیں کیونکر — اٹھی جب علم کی بدلی تو اُس سے گُن برستا ہے
یہ افتادِ طبیعت مرتی ہے نیکی، بدی پیدا — دلوں پر عالمِ بالا سے پاپ اور پُن برستا ہے

جو ہو رہا ہے وہ دیکھتے ہیں کہ شر بھی اور فساد بھی ہے
مگر زیادہ نہیں تعجب، جو ہو چکا ہے وہ یاد بھی ہے
قدم قدم پر ہے کشمکش اِس جہانِ فانی کی منزلوں میں ✓

---

۱ قولِ سعدیؒ: ہر کہ دست از جان بشوید ہرچہ در دل دارد بگوید۔

عروج بھی ہے زوال بھی ہے اصلاح بھی ہے فساد بھی ہے
تمھارے فریادیوں کو دیکھا تمھارے عذرات بھی سُنے سب
خفا نہ ہو جاؤ تو یہ پوچھوں کسی کا دل تم سے شاد بھی ہے

ہیں خلق کی عافیت پہ حملے — فریاد کو جا رہا ہوں شملے
کچھ عیب نہیں ہے سر اُٹھانا — لیکن پہلے قدم تو جم لے
رندی میں بھی رکھ خیالِ آخر — مَے پی اکبرؔ تو جامِ جم لے

بُت شکن کو بُت بنا لینے کا ہے سودائے عام — علم جو کچھ ہو عمل کا تو یہی مفہوم ہے
پیر و ہادی ہے طاعت میں جو ہے مومن بدل — اس کی نظروں میں فقط یا حیّ یا قیّوم ہے
بُت پرستی میں کبھی ہو جاتی ہے رونق زیست کی — جو خدا کا ہو رہا لیکن اُسی کی دھوم ہے
اکبرؔ اک دن ہو ہی جائے گا غموں کا خاتمہ
حمد کر اللہ کی کیوں اس قدر مغموم ہے

ذکر سے اللہ کے ہوتا ہے اطمینانِ دل — ہے یہ ارشادِ قرآں صاف ہے بے پیچ ہے
دے اگر اللہ اپنی یاد کی لذّت تجھے — موت بیماری تردد رنج و غم سب ہیچ ہے

جیت ہو موسائیوں کی سب یہ کرتے ہیں دعا — جن کے سینے میں ہے دل وہ دشمنِ فرعون ہے
مصلحت سے ہے خموشی اکثروں کو ورنہ آج — اس سے سب مایوس ہیں بیزار ہیں خوش کون ہے

شیطاں نے کیا حضرتِ آدم کو نہ سجدہ — اور عذر کیا پیش کہ میں آگ وہ مٹی
حضرت کو بھی تقلیدِ نمازی میں ہے یہ عذر — مسجد کا وہ مُلّا ہے میں صاحب کا ہوں منشی

نہیں سائنس میں ہرگز کوئی قوت کوئی قدرت — عبث اس بحث میں تُو اپنا دل غمگین کرتا ہے
خدا ہی جمع کر دیتا ہے اک اور دو کو اے اکبرؔ — تو پھر سائنس اس کو حکمِ رب سے تین کرتا ہے

منظور انھیں اس وقت ملاقات نہیں ہے — نیند آ رہی ہے اور کوئی بات نہیں ہے
احباب پڑے سوتے ہیں میں جاگ رہا ہوں — میرے لیے اب دن ہے یہاں رات نہیں ہے

ترکیبِ ترقی میں نہیں جانتا اکبر — جو جانتے ہیں اُن سے ملاقات نہیں ہے

باغِ دنیا میں نظر غمناک ہو کر رہ گئی — رنگ بدلے خاک نے پھر خاک ہو کر رہ گئی
داخلِ اسکول ہو دخترؔ تو کچھ حاصل کرے — کیا نتیجہ صرف اگر بے باک ہو کر رہ گئی
وہ ترقی ہے کہ جو کر دے شگفتہ مثلِ گُل — وہ کلی کیا جو گریباں چاک ہو کر رہ گئی

ہے مذاق حضرت واعظ صحیح — ان کی خدمت میں بس اتنی عرض ہے
اونٹ پر چڑھنا تو سنّت ہے ضرور — ریل پر چڑھنا مگر اب فرض ہے

نہ دلوں میں اب ہے وہ ذوقِ حق نہ دعا کا یاد ہے وہ سبق
نہ وہ آہ ہے نہ وہ شوق ہے نہ وہ تیر ہے نہ کمان ہے
نہ کمیٹیوں کی ترنگ اُسے نہ ہوائے حملہ و جنگ اُسے
کرے کیا اب اکبر مضمحل نہ وہ طفل ہے نہ جوان ہے

دوسری بات ہے یہ بیٹھ رہیں کچھ نہ کریں — کچھ جو کرنا ہے تو جو کرتے ہیں ہے ٹھیک یہی
اصل نسخہ ہے تو بس طاقت و تقویٰ و دعا — سابقاً حضرت موسیٰ کی تھی تحریک یہی
مگر اب ڈاکٹری پھیلی ہے بیدک کا ہے زور — اس لیے خوب ہے ہر ایک کے نزدیک یہی

کیا ہو سکے ہم ایسے ضعیفوں کے ہاتھ سے — ہستی ہی مٹ رہی ہے حریفوں کے ہاتھ سے
کہتے ہیں وہ ادب کی بناؤں کو توڑ دو — یہ تو نہ ہو سکے گا شریفوں کے ہاتھ سے
ہے سوزِ روح ولولۂ درد یا لطیف — چھوٹے بھی تو زبان لطیفوں کے ہاتھ سے

یہ ہے افسوس گذری زندگی فکر و تردّد میں — مگر اللہ جانے مطمئن ہوتے تو کیا کرتے
ہمارا دل لرز اٹھتا ہے اکبر اس تصوّر سے — گلہ قسمت کا کم کرتے اگر اللہ سے ڈرتے

حکمت آگیں یہ اشارت ہے بلیغ — داغِ غفلت دل سے دھونا چاہیے
جو نہ ہونا چاہیے جب تک نہ ہو — کس طرح وہ ہو جو ہونا چاہیے

نظر کے سامنے ہیں ہر طرف یہی آثار — قیامت آتی ہے بدلا ہوا زمانہ ہے

کہو خلافِ کلیسا کریں نہ شرکتِ دیر — جنابِ حضرتِ عیسیٰ ہی کو منھ دکھانا ہے

آبِ زمزم سے کہا میں نے ملا گنگا سے کیوں — کیوں تری طینت میں اتنی ناتوانی آ گئی
وہ لگا کہنے کہ حضرت آپ دیکھیں تو ذرا — بند تھا شیشی میں اب مجھ میں روانی آ گئی

خواہشوں نے ذلیل رکھا ہے — جی نہیں چاہتا کہ جی چاہے
خوب تو ہے وہی جو ہے محبوب — وہ سہاگن ہے جس کو جی چاہے
غیر ممکن ہے چشمِ عرفاں میں — جوش بھی ہو سکون بھی چاہیے

دنیا کے عیشِ فانی نے اپنی بات رکھی — نوشاہ کے لیے بھی بس ایک رات رکھی
اسلام کے معانی کر لیں گے گھر دلوں میں — رہ جائے گی یہ شکلِ لات و منات رکھی
پبلک کے داخلے کی کیوں روک اس قدر ہے — خیمے کے گرد اس نے کوسوں قنات رکھی

ڈاکٹر کہہ گئے ہرگز نہیں پھٹنے کا یہ پیٹ — ساری دنیا کو وہ کہتے ہیں نگل جائیں گے
ہم وہ لقمہ ہیں کہ ہرگز نہ پچیں گے اُن کو — منھ جو اس زعم میں بائیں تو پچھتائیں گے

ہے ایک برات ہندو مسلم کی — ہر ایک کے سر پہ ملک کی ٹکّی ہے
یکساں کرتے ہیں فیل جز بحثِ بقر — ہاتھی تو نکل گیا ہے دُم اٹکی ہے

کیا حالِ دل کہوں میں اس غیرتِ پری سے — فرصت کہاں ہے اُس کو اندازِ دلبری سے
ملکی یہ گرم جوشی اب خاتمے پہ آئی — بھیجی الاؤ رخصت آیندہ فروری سے
زلفوں کے دام میں جب دیکھی ہماری حالت — باز آئیں سب بلائیں دعوئ ہمسری سے

جو پوچھا حضرتِ اکبر سے کیا معنی خدا کے ہیں — وہ بولے مجھ سے سنیے گو تشفی غیر ممکن ہے
یہی دائم کے جو معنی خدا کے بھی وہی معنی — مگر تاریک منظر وہ ہے جس میں نورِ باطن ہے

اس بحث میں اکبر کی ہنوز آہ وہی ہے — ہم کیوں نہ رہے وہ اگر اللہ وہی ہے
نافہم کو کچھ قدر نہیں میرے سخن کی — ارباب کے معنی ہیں مگر واہ وہی ہے
ہے خواجہ نظامی کا یہیں رین بسیرا — خسرو تھے فدا جس پہ یہ درگاہ وہی ہے

محفوظ رہا وہ نئے پائپ کے اثر سے — اس باؤلی کے دل میں مری چاہ وہی ہے
ہو بے خودیٔ وجد سے انکار کسی کو — توحید کے دریا کی مگر تھاہ وہی ہے

صاحب نگل رہے ہیں، دنیا اکڑ رہی ہے — ان کا بھی حلق زخمی اس کی رگیں بھی ڈھیلی
اللہ انھیں شفا دے، اس کے گناہ بخشے — پھر رنگ امن قائم ہو زیر چرخ نیلی

کہا بلبل نے کیوں رہوں خاموش — پھر کہاں یہ زمانہ پاؤں گی
ذبح ہونے کی کوئی بات نہیں — رہا پھنسنا تو دانہ پاؤں گی
اب تو زینت بجائے تقویٰ ہے — کیا ہے حاجت ابو حنیفہ کی
تیغ کی جا ہے جب ریزولیوشن — تو ضرورت ہے کیا خلیفہ کی

مناسب تھی ہماری شاعری اک وقت میں اکبر — مگر اب وہ زمانے کے موافق ہو نہیں سکتی
غنیمت تھی ادائے خانقاہ اُس کی نگاہوں میں — کمیٹی اور ریزولیوشن پہ عاشق ہو نہیں سکتی

سلیمان کی بات اچھی بنی — کہ ندوی سے اب ہو گئے لندنی
رہے بادہ نوشوں سے بے شک کھنچے — مگر چائے والوں سے گاڑھی چھنی
محمد علی کی رفاقت میں ہیں — خدا اُن کو غیروں سے کر دے غنی

دانت کا درد بدستور چلا آتا ہے — وہی مازو، وہی کافور چلا جاتا ہے
ڈارون کے اسی لکچر کا سبق ہے اب تک — وہی بندر، وہی لنگور چلا آتا ہے
برق کے لیمپ سے آنکھوں کو بچائے اللہ — روشنی آتی ہے اور نور چلا جاتا ہے
شیخ صاحب کی کمر جھک گئی اور دل نہ جھکا — آج تک شوق لقفقور چلا جاتا ہے

دونوں میں کشاکش ہے غلاظت ہی کی خاطر — خنزیر کی تائید کروں گا نہ مگس کی
تقویٰ کو جو سمجھے ہیں، وہ دیں داد ہماری — تشبیہ ہی خوب ہے دنیا کے ہوس کی

خود پرستی نظر کی پستی ہے — اصل ہستی خدا کی ہستی ہے
خطرۂ دردِ سر نہ خوفِ خمار — بے خودی بھی عجیب مستی ہے

خوب ہے فیضِ عشق کی بدلی دل وہ، جس پہ یہ برستی ہے

یہ وہ ہنگامہ ہے جس کی ہر طرف تائید ہے آپ کی تعلیم ہے اور آپ کی تقلید ہے
مستحقانِ ادب کو آپ نے رسوا کیا آپ کے دعوئ عظمت کی بھی اب تردید ہے
مرگ کا خطرہ مبارک ہو انھیں جو زندہ ہیں ہم تو مردہ ہیں، قیامت کی ہمیں امید ہے

طریقِ شاہی کی تھی یہ حالت ملو تو عزت، لڑو تو ہے ہے
اور اب تو ہے اور ہی تماشا ملو تو غم ہے، لڑو تو جرم ہے

وہ گو ہیں حسن سے محروم، طنازی تو آتی ہے عمل اچھے نہ ہوں لیکن سخن سازی تو آتی ہے
بتانِ دیر رخنے ڈالتے ہیں کارِ مسلم میں نہ ہو ناقوس کی آواز، غمازی تو آتی ہے
فروغِ عشق کی مانع نہیں ہے خامشی اس کی کہ پروانے کو پیشِ شمع چال بازی بھی آتی ہے

رات بھیجا میں نے ان کے گھر کئی بار آدمی جب سنا تو یہ سنا، بیٹھے ہیں دو چار آدمی
آج کل مشکل نہیں ہے کچھ بھی تجویزِ رقم اتنا ہی کافی ہے، مل بیٹھیں کہیں چار آدمی
حالتِ اکبر کو دیکھ، اللہ سے امید رکھ اس قدر مقبول، اور ایسا گنہگار آدمی

نہ سمجھے تھے یہ نئی روشنی کے پروانے یہی ہے قصرِ خلافت کو پھونکنے والی
دعا میں رو دیجئے، اس وقت یہ مناسب ہے ہنسا رہی ہے حریفوں کو آپ کی گالی

نادیدنی امور کا تھا ایک جگہ گلا[1] سب نے کہا کہ "آپ بھی ہلہ بولیے"
میں نے کہا کہ "دفع کی طاقت نہیں ہے[2] منظر اگر برا ہے تو آنکھیں نہ کھولیے"

یہ کیا ہنگامۂ کون و مکاں ہے میں کیا ہوں، اور نظر میری کہاں ہے
یہ موجِ بے قراری دل میں کیسی یہ بحرِ بیکراں کیوں کر رواں ہے
یہ کیا معنی چھپے ہیں صورتوں میں نظر کیوں مائلِ حسنِ بیاں ہے

---

[1] ایک بزم میں بیانِ غمِ روزگار تھا۔ [2] مجبور ہو کے بس اتنا ہی عرض کر دیا۔

گلوں میں رنگ و بو آیا کہاں سے — کہ بلبل مست و سرگرمِ فغاں ہے
فقط وحدت ہی کا جلوہ ہے لیکن — حجابِ وہمِ کثرت درمیاں ہے
وہی وہ ہے نہیں ہے غیر کا دخل — یہاں بے خود نگاہِ عارفاں ہے

آپ کیوں اپنا خطاب اے خان واپس کیجیے — خود انھیں سے کہیے میری شان واپس کیجیے
واپسی آنر کی جھگڑا ختم کر سکتی نہیں — لوگ کہتے ہیں خدا کو جان واپس کیجیے
یہ تواضع کیا ہے آمد خود نہیں ہوتے جو وہ — چھوڑیے ڈاڑھی کو حقّہ پان واپس کیجیے
آپ جس کو نزع سمجھے تھے غشی تھی وہ فقط — لائیے کرتا کفن کا تھان واپس کیجیے
مدح کا بے انتہا ممنون ہوں لیکن جناب — دام اگر دینے نہ ہوں دیوان واپس کیجیے

سائنس تم نے جانا اور اس کو بھی پڑھایا — دولت اڑائی تم نے اور ان سے کیا اڑائی
تم نے تو دل مارا اور کھول دی تجارت — یہ ترجموں میں الجھا بس داستاں سنائی
تم متحد ہوئے اور دکھلائی اپنی قوت — اس نے سلف کو ڈھونڈا آپس میں کی لڑائی
تم نے نگاہ رکھی اپنے ضابطوں کو — اس بے ادب نے سیکھی بے دینی اور ڈھٹائی
یہ برکتیں تمہاری تعلیم کی بجا ہیں — ان ترقیوں نے اللہ کی دہائی

محبت اچھی وہی جو نگاہ ہی میں رہے — زباں کھلی تو سمجھو کہ راہ ہی میں رہے
جہاں ہے عرصۂ کشمکش تو خوب ہے اکبر — مگر یہ کچھ نہیں سمجھے جو راہ ہی میں رہے
نظر نہ آئے جنھیں جلوہ ہائے الا اللہ — کھلی بھی آنکھ تو کیا لا الٰہ ہی میں رہے

غزل

بطرح مشاعرہ پرتاب گڑھ

نمایاں داغِ سجدہ سے اگر تیری جبیں ہوتی — یقیناً رشکِ گردوں غیرتِ ماہِ مبیں ہوتی

فلک کا خوانِ الواں نفس کو تسکیں نہیں دیتا
اجل جبراً اٹھا دیتی ہے اور سیری نہیں ہوتی

ستاروں ہی کو یہ ڈھونڈا کیے ہیں دوربینوں سے
خدا کی جستجو کرتے جو چشمِ دوربیں ہوتی

تمھارے شوق میں روتا تو ہوں لیکن مزہ جب تھا
کہ میری چشم تر ہوتی، تمھاری آستیں ہوتی

رسائی تو ہوی اُن تک مگر اب یہ مصیبت ہے
انھیں فرصت نہیں ہے اور مجھے سیری نہیں ہوتی

جو یاد اُن کے لبِ شیریں کی آجاتی دمِ آخر
یہ تلخی نزع کی لذت میں شہد آگیں ہوتی

تمھارے ہاتھ سے نالاں ہے نیچر ورنہ اے صاحب
نہ یہ موٹر کا غُل ہوتا نہ یہ انجن کی پیں ہوتی

ٹھیکہ دارِ باغ سے ہے دوستی صیاد کی
یا الٰہی خیریت ہو بلبلِ ناشاد کی

داد ملتی ہے بتانِ دیر کو بیداد کی
دیدنی ہے بیکسی یارب مری فریاد کی

کیا کہوں حالت میں اس دیرِ خراب آباد کی
ہے فنا ہی پر یہاں تعمیر ہر بنیاد کی

اُس کو کیا پروا بتوں کے لطف یا بیداد کی
جس کے دل کو مل گئی لذت خدا کی یاد کی

صلحِ کُل کے مسئلے پر ہو عمل کا جس کو شوق
وہ کرے تقلید مہاراجہ کِشن پرشاد کی

بے گناہی کے یقیں سے کانپتا ہے اُس کا ہاتھ
قتل بھی ہوتا ہوں، ہمدردی بھی ہے جلاد کی

دیکھ کر اُس کی طلب میں خود ہی اُس کا ہوگیا
دام ہی بن کر پڑی مجھ پر نظر صیاد کی

ماگھ لایا ہے نویدِ آمدِ فصلِ بہار
گونج بھونرے کی ہے اک ٹھمری مبارکباد کی

آپ کی چشمِ کرم کافی ہے اکبر کے لیے
اس کے شعروں کو ضرورت کچھ نہیں صیاد کی

تجربے کے بعد رنج و غم سے کر لی اُس نے صُلح
اکبر اب پروا نہیں کرتا دلِ ناشاد کی

---

*چمکنے آئے ہیں شاطر کسی جزیرے سے
تم اپنے شہد کو بدلو نہ اُن کے ہیرے سے

نہ کھوؤ زمزمۂ ارغواں میں حسنِ سخن
سنبھال سکتے ہو تم اپنی ہی مجیرے سے

---

* مصرعِ طرح راجہ پور ۱۳ ۲۱ء

عدوئے دیں کے تکلف سے احترازا ولیٰ — مفید تر نہیں آئس کریم کھیرے سے
وہ کہہ رہے ہیں کہ دیکھوگے دیر میں تم اخر — کہ کام ہم لوگ دھیرے دھیرے سے

جانِ مشتاق ہے تیری مرا جینا ہے یہی — مست ہوں جامِ ازل سے، مرا پینا ہے یہی
داغ ہے تیری جدائی کا مرے دل میں نہاں — میری دولت ہے یہی میرا دفینا ہے یہی
ترے محبوب کے منزل کی زیارت ہو نصیب — دیکھ لے چشمِ تمنا کہ مدینا ہے یہی
زندہ ایمان کو کر دے بُت خودبیں کا غرور — کیا خبر غیب کی، البتہ قرینا ہے یہی
نور و ظلمت میں نظر آئے فقط شانِ ظہور — رات دن آرزو ئے دیدۂ بینا ہے یہی
منزلِ عشق میں رکھ اپنی خودی زیرِ قدم — حُسن کہتا ہے مرے بام کا زینا ہے یہی
پیشِ توحید بتوں کا سرِ مغرور ہے خم — اُن کو کینہ ہے جو مجھ سے تو وہ کینا ہے یہی

موج دل کے لیے ہے جس میں روانی کی اُمنگ
یہ وہی بحر ہے اکبر، وہ سفینا ہے یہی

میں بیٹھا بزمِ عشرت میں، وہ تیغِ خوں فشاں رکھ دی — تو سر پہ چرخ نے خاکِ مذلت ناگہاں رکھ دی
زمانے کی مجھے پہچان ہی جاتی رہی یارو — گھڑی دل کی جو پہلو میں تھی کیا جانے کہاں رکھ دی
سروں میں جن کے تھا سودائے حق کیا لوگ تھے وہ بھی — اگا کعبہ اُسی جا سے جبیں اپنی جہاں رکھ دی
کہوں کیا رُوح نے کیوں جسمِ خاکی میں جگہ پائی — امانت یہ خدا کی تھی جہاں چاہا وہاں رکھ دی
کسی فریاد رس کے ابروؤں کا وہ اشارا تھا — چلے تیرِ حوادث، چرخ نے اپنی کماں رکھ دی

رشتۂ جاں مل گیا ہے تارِ زلفِ یار سے — مجھ کو آزادی ہے قیدِ سبحہ و زنار سے
ہیں اُسی جلوے کے طالب اب بھی مشتاقِ الست — پھر نہیں سکتیں نگاہیں اُن کی اس اقرار سے
ظلمتِ ہستی سے کیا اہلِ بصیرت کو ضرر — روشنی ہوتی ہے پیدا خود دلِ بیدار سے

جوشِ معنی سے ہے سیراب اکبر اپنا مُلکِ دل
لوٹتا ہوں دولتیں اس ابرِ گوہر بار سے

زمیں تو کھود کھود کر ہو گئی ہر کمپ میں شامل | مگر ہاں آسماں کی کچھ پرانی شان باقی ہے

بہت آراستہ ہم کو کیا تعلیم مغرب نے | بس اتنی ہی کسر سمجھو کہ کچھ ایمان باقی ہے

سوا اس کے جو کچھ تھا ہو گیا سب بلا میں داخل | خدا کا نام باقی ہے بس سارا ہی سامان باقی ہے

ہوئے نیکی سے بیگانہ ترقی اس کو کہتے ہیں | فرشتے ہو گئے رخصت فقط شیطان باقی ہے

طبیعت میں ابھی پتلون سے سیری نہیں پایا | یہ سچ ہے کٹ گئے ہیں پاؤں لیکن ران باقی ہے

اپنی تہذیب اسے زیب ہے جو سمجھ کو جا کے گور سے | وہ ہے زیر فلک اللہ جس کو زور دے

اب تو ہے اہل بصیرت کی خدا سے یہ دعا | دفع کرنا دیدنی یا ہم کو چشم کور دے

پاکے طاقت قتل کی تم کیوں ہوا صاحب قتل | ہو بہت اللہ اگر توفیق سچی مور دے

طالب دنیا ہیں تقوی کی کہاں پابندیاں | مال دے اس کو ہے مطلب شاہ دے یا چور دے

میں مصیبتوں میں ہوں اے خدا مرا دل غموں سے دو نیم ہے
مرے حال زار پہ رحم کر تو رحیم ہے تو کریم ہے
میں بہت ہوں بیکس و ناتواں مری بے کسی کی خبر لیجے
ترے رحم ہی کی امید ہے تو قدیر ہے تو علیم ہے
ترے فضل ہی کا یہ کام ہے مجھے تسکین دے مجھے قلم دے
مری معصیت تو کچھ نہیں ہے کہ یہ سختی جحیم ہے

طبیب دہلی کی مدد سے بت کی صحت بڑھ گئی | قدرت باری سے بت خانے کی شوکت بڑھ گئی

ڈنڈوت جب شیخ تھا سب نے بھی کی پیش صنم | گاندھی آئے ہو گئے چیلوں کی ہمت بڑھ گئی

آکسیجن بھائی نے قربانی تعصب کی جو کی | چال بازی چھپ گئی گالیوں کی وقعت بڑھ گئی

وہ یہ کہتے ہیں کہ صاحب جی کا ہی سارا ستم | آپ فرماتے ہیں یاروں کی شرارت بڑھ گئی

مجھ کو تا جیتا ہوں میں ہو سکے ترقی ادھر وہ مغرب میں ان پار ہے

مرا افسانہ ہوا پرانا، اب اُس کا افسانہ بن رہا ہے
نہیں ہے اب دورِ وقتِ آخر، حضوریٔ حق میں رہ تو حاضر
ان انقلابوں سے ہوتے پیدا یہی فلک کا چلن رہا ہے

خرد کے ساتھ کہاں تک وفا کرے کوئی
حواس ہی نہ بجا ہوں تو کیا کرے کوئی
بتوں کا قول یہ ہے اب خدا کے بندوں سے
ہمیں ضرور ہے جینا، مرا کرے کوئی
کسی کے فتنۂ قامت کا ظلم ہے اے حشر
تری طرف سے بھی اٹھے، خدا کرے کوئی
بھلائی یہ ہے کہ فتنے کو تم فرو کر دو
یہ کیا کہ فتنے میں فتنہ بپا کرے کوئی

جو خطرے ہیں تجھے اُن کی اذیت رہ نہ جائے گی
اگر ٹل جائیں گے اس کی بھی لذت رہ نہ جائے گی
کہا اُس نے طبیعت کرتی ہے عاجز کہا میں نے
کسی درویش سے مل یہ طبیعت رہ نہ جائے گی
کہا درویش اب ایسے کہاں میں نے کہا اچھا
مصیبت جھیل لی پھر یہ ضرورت رہ نہ جائے گی
مصیبت خود ہی بن جائے گی تیرے حق میں اک شہد
جو دل ٹھہرے گا نفسانی یہ طاقت رہ نہ جائے گی
خدا کے ذکر سے تسکینِ دل ہو جائے گی آخر
قریبِ مرگ باقی کوئی کلفت رہ نہ جائے گی
دعائے مغفرت میں آخری ایام گذریں گے
خدا چاہے گا دنیاوی کدورت رہ نہ جائے گی
خیالِ عیشِ باقی میں بسر کر وقت اے اکبر
یہ فانی حالتیں ہیں کوئی حالت رہ نہ جائے گی

مجھے کیا خبر یہ ہے کیا اثر، نہ وہ ہوش ہے نہ وہ جان ہے
فقط اک نظر ہے جہاں پر، نہ خیال ہے نہ زبان ہے
نہ دماغ صرفِ رہِ نظر، نہ دلیل باعثِ دردِ سر
وہی جوششِ لذتِ دید ہے، نہ قیاس ہے نہ گمان ہے
نہ نہاں حدود کا نشاں کہیں، نہ محلِ حرف و بیاں کہیں
مرا عشق ہے ترا حسن ہے، مری آنکھ ہے تری شان ہے

پھونک تو اٹھے ہیں مرغ صبح کی آواز سے
کم ہیں وہ لیکن جو واقف ہیں سحر کے راز سے

کان نے اللہ اکبر کی صدائیں سن تو لیں
سوز دل ہوگا نہ اب تک دھنو کے ساز سے

صاحب باطن کو کافی ہیں اشارات لطیف
شکل معنی کو سمجھ لیں لفظ کے انداز سے

خود ہی ہم انجن ڈریور تھے ہوے رخصت وہ دن
دل دھڑکتا ہے اب اپنا ریل کی آواز سے

ہے چھتری بھی چپ نہ پٹا ہے نہ بانک ہے
پوری بھی خشک لب ہے کہ گھی چھ چھٹانک ہے

گو ہر طرف ہیں کھیت پھلوں سے بھرے ہوے
تھالی میں خربزے کی فقط ایک پھانک ہے

کپڑا گراں ہے ستر ہے عورت کا آشکار
کچھ بس نہیں زباں پہ فقط ڈھانک ڈھانک ہے

بھگوان کا کرم ہو سودیشی کے تیل پر
لیڈر کی کھینچ کھانچ ہے گاندھی کی ہانک ہے

اکبر پہ بار ہے یہ تماشائے دل شکن
اس کی تو آخرت کی طرف تاک جھانک ہے

مثنوی

کھلی گو سب پہ اب ان کی سبھا ہے
مگر واعظ کی یہ اچھی کتھا ہے

خدا اتنی سمجھ دے بھائی جی کو
ہے مشکل ہم بننا بائی جی کو

میں سمجھاتا ہوں پھر ان کو دوبارا
بنیں لہنگا پہن کر کیوں غبارا

گاندھی اور مالوی میں ہے کیا فرق
آپ اس بحث میں ہیں ناحق غرق

فرق وہ ہے جو عقل و عشق میں ہے
ایک کاشی میں اک دمشق میں ہے

چکر میں ہے آج ہسٹری بھی
چرخہ بھی ہے اور منسٹری بھی

مرکز سے بہت ہٹے ہوے ہیں
میدان میں مگر ڈٹے ہوے ہیں

جن پر ہے خدا کی مہربانی
دونوں کو سمجھتے ہیں وہ فانی

خوب ہے مسلم دیر کی جانب ۔۔۔ کیوں وہ جھکتا غیر کی جانب
شیخ اب کہتے ہیں کرکے درشن ۔۔۔ مرلی والے مرئی شیئاً

ہے ہزاروں میں نمایاں فہم و ادراکِ عقل ۔۔۔ کافیہ، شرح وقایہ اس کی ہے روشن دلیل
شک نہیں اس میں کہ اس لڑکے میں تیزی ہے بہت ۔۔۔ وقت لیکن لیتی ہے تعلیمِ انگریزی بہت
خیر جو کچھ ہو وہ ہو جائے گا اک دن نامور ۔۔۔ ہر طوالت کو وہ کر لے گا بآلاخر مختصر
اس زمانے کی رکاکت کا اثر کب اس میں ہے ۔۔۔ جوہرِ سنجیدگی عقل و ادب سب اس میں ہے
یہ بھی کہتا ہوں مگر بے ساختہ میں آپ سے ۔۔۔ کچھ صفات اس نے وراثت پائے ہیں ماں باپ سے
پرورش پایا ہوا ہے نانہالی قصر کا ۔۔۔ سایہ افگن فیض ہے اس پر لسان العصر کا

یاں ضعف روز افزوں اور اس کے ساتھ عبرت ۔۔۔ واں زر روز افزوں اور اس کے ساتھ غفلت
ہم میں جو کچھ ہے باقی اس کو بھی کھو چکیں گے ۔۔۔ لیکن حریف خود بیں بھی جلد ہو چکیں گے
سچ ہے کہ ہونے والی ہرگز نہیں ٹلے گی ۔۔۔ دنیا یوں ہی چلی ہے دنیا یوں ہی چلے گی

امیرِ شریعت کی تحریک ہے ۔۔۔ کہا اکثروں نے یہی ٹھیک ہے
فرنگی محل کو ہے اس میں سکوت ۔۔۔ ضرورت کا پاتے نہیں وہ ثبوت
اُدھر ایک کو ہے حراقی مذاق ۔۔۔ ادھر ترک انگورہ ہے دل پہ شاق
وہ کہتے ہیں فیصل کا اٹھا ہے ہاتھ ۔۔۔ امیرِ شریعت ہی آجائیں ساتھ
یہ کہتے ہیں کوشش میں جب ہیں کمال ۔۔۔ نئی بات کا کیوں کرو تم خیال
گورنمنٹ تو خوش ہے اس بات سے ۔۔۔ کہ یہ کام ہو ہند کے ہاتھ سے
بفضلِ خدا کم نہیں مولوی ۔۔۔ سنایا کریں تخت سے مثنوی
نئے مولوی پر سر جوش ہیں ۔۔۔ جو پیرِ طریقت ہیں خاموش ہیں
توقع کریں ایسے عقلوں سے کیا ۔۔۔ حکومت نہیں جب تو نقلوں سے کیا
کوئی کہتا ہے کیا کمال و جمال ۔۔۔ خلا فلسفے میں ہے بالکل محال

خلیفہ نہیں ہیں تو پیرو سہی
نہ ہو تخت فی الارض بیرو سہی

کہاں تک کریں انتظارِ بسنت
اکھاڑے جدا ہوں، جدا ہوں اننت

وہ کہتے ہیں کافی ہیں اہلِ طریق
نہ ڈھونڈھو یہاں تم سیاسی رفیق

مجھے تو شہرتِ اکبر میں غور کچھ بھی نہیں
خدا کے نام کی برکت ہے اور کچھ بھی نہیں

جب اس کے دل نے خدا کا بتا دیا اس کو
خدا نے طرزِ سخن بھی بتا دیا اس کو

جو روشنی تھی نئی اس نے راہِ کالج لی
اور اس کے دل نے اسے خود بتا دیا بجلی

چمک ملی ہے تو ساتھ اس کے بےقراری بھی
سرورِ طبع بھی ہے حد اور آہ و زاری بھی

یہی بہار مجھے بھی پسند ہے واللہ
ہزار رنگ ہوں اور سب میں تو ہے یا اللہ

نامناسب ہے کسی اور طرح کی تحریک
سچ کہا حضرتِ برہم نے فقط حمد ہے ٹھیک

ذکرِ بت کا کوئی موقع ہے نہ یارا اب ہے
شاعری میں بھی خدا ہی کا سہارا اب ہے

اب نہیں عشق کے حالات کی توضیح سے کام
رات دن رہتا ہے تقدیس سے تسبیح سے کام

چاہتا اب میں نہیں انجمنِ شعر میں واہ
بس مصلے پہ کیا کرتا ہوں سبحان اللہ

اک مصیبت میں ہے سادھو ہے کوئی یا سیٹھ ہے
ہے تو یہ ساون مگر حکمِ خدا سے جیٹھ ہے

سچ تو ہے گردوں کو راہِ مہربانی کیوں ملے
آگ جب یورپ میں برسے ہم کو پانی کیوں ملے

یا الٰہی جلد ہو بارانِ رحمت کا نزول
یہ دعا لازم ہے سب کو چھوڑ کر کارِ فضول

اب تو خیر نہیں ہے مگر اس سے پیشتر
آل مجسٹریٹ تھے، صوفی پروفیسر

سید شیخ تو دونوں پہ لازم تھا جہاد
پیر بیٹھے ہوئے تو کام ہی دنیا کا ہے فساد

حلاوت زیست کی کم ہے تو حفظِ نفس کیا چاہوں
فقط نفس زندگی کا ہے بس اس کا حفظ کرتا ہوں

جواب اس ضعف میں ہر ایک کا دے سکتا ہوں کیسے
سوال البتہ ہے چاروں طرف سے آپ ہیں کیسے

یہ حکمِ ترکِ دنیا صحرا نشیں پہ کیسا ہے
سوچو تو کوہ و صحرا دنیا سے کیا جدا ہے

اس ترک کا تعلق دل سے ہے اے برادر
دل میں اگر ہے دنیا پھر کیا مقام بستر

شوخیِ غرب سے گھبرائی جو مشرق کی رندی بت نے انگڑائیاں لیں دیر میں چونکے ہندی

لب پہ آیا یہ سخن کیسی اٹھی ہے آندھی پختۂ صبر و متانت میں یہ بولے گاندھی

"ذہنِ عالی سے برسنے لگے قانون نئے عاجزی ہم کو سُجھانے لگی مضمون نئے"

چرخ بولا کہ یہ دنیا نہیں راحت کے لیے انقلابوں کی ضرورت ہے قیامت کے لیے

اک طرف گیس ہے اور اک طرف اخراجِ ریاح کر دیا ہند میں فطرت نے تماشا یہ مباح

ان کی خواہش ہے بجایا کریں تاشا اپنا در دکھایا کریں ہم لوگ تماشا اپنا

خدا کے ذکر سے حرکت میں لاؤ قلبِ ساکن کو سوئی ہیں ظلمتیں ظاہر بڑھاؤ نورِ باطن کو

نہ صورت کا تصنع ہے نہ رسموں کا تکلف ہے شریعت کی بدل تعمیل ہو بس یہ تصوف ہے

نظر میں ہیچ ہو جاتی ہے دنیا کی کمی بیشی بہارِ باغِ استغنا ہے رنگ و بوئے درویشی

بڑی عظمت ہے اندیشوں کا حق سے متصل ہونا بڑی نعمت بشر کے واسطے ہے اہلِ دل ہونا

درِ مسجد پہ شاید تم کو کوئی ٹوک سکتا ہے درِ دل پر ملائک کو مگر کب روک سکتا ہے

جیا بھی جہل و غفلت میں تو انساں کیا جیا یارب عطا کر اپنے بندوں کو حقیقت کی ضیا یارب

ذہن شائق رہا ٹھکانے کا رنگ بدلا کیا زمانے کا

شوخیِ عقل رہ گئی شک میں کٹ گئی عمر مفت بک بک میں

کر دیا دل کو این و آں نے تباہ بردا سنے لا الٰہ الّا اللہ

دل سے جو تو کسی کا محب و مطیع ہے اس پر اثر نہ ہو تو یہ امرِ بدیع ہے

مذہب کا اختلاف نہیں مانعِ وداد البتہ ہے ضرور محبت میں اشتداد

مذہب الگ ہے اور الگ تیری ذات ہے ہر اک نہ سمجھے گا اسے باریک بات ہے

یاں واصلانِ حق میں نہیں اس کا امتیاز کھلتا ہے قول حضرتِ صادق سے اس کا راز

"سن لے یہ مغربی ہے کہاں اس میں پوست ہے اللہ کا جو دوست ہے وہ میرا دوست ہے"

بولے مسجد میں رات آ کے عقیل ہے محل میں نماز مجھ پہ ثقیل

وہاں قالین، یاں چٹائی ہے — واں امیری ہے، یاں خدائی ہے

ناتواں ہوش پہ دنیا کا ہے اک بارِ عظیم — یہ دعا اکبرِ عاجز کی ہے اے ربِ کریم
دارِ فانی سے ترا نام ہی لیتے گذریں — نفسِ چند جو باقی ہیں، وہ اچھے گذریں

کیا اب اس عمر میں جمعیتِ اسبابِ طرب — دل میں کر رکھا ہے اس مطلعِ اکبر نے غضب
صبح نزدیک ہے اور چار بجا چاہتے ہیں — اب اس وقت میں محفل کو سجا چاہتے ہیں

راہِ خدا میں آگے ہوتی تھی سر فروشی — اب قوم کا پریس ہے، پیشہ خبر فروشی
مغرب کی حیلہ سازی دوڑی ہے بے تحاشا — کالج میں کر رہے ہیں غازی میاں تماشا
کچھ بات ہوتے ہوتے ہو ہی رہیں گے آخر — اس وقت تو ہیں لیکن بربادیاں بظاہر

آ گئے تمھارے رنگ کسی کا نہیں جما — جے ہو تمھاری اے مرے گاندھی مہاتما
لینے کے تم نہیں ہو گورمنٹ کی مدد — چورن کو کیا ضرور پیپرمنٹ کی مدد

جو شام فتنہ افق پہ جہاں میں طاری ہے — وہ سلسلہ ابھی قائم ہے اور جاری ہے
نتیجہ اس کا عیاں ہوگا چند روز کے بعد — ظہورِ سانحہ بھی ہوگا دورِ سوز کے بعد
خدا کی یاد سے پُر نور جن کا ہے سینا — سمجھ رہے ہیں کہ فطرت نہیں ہے نابینا

خدا کا کام، خدا ہی کے واسطے بہتر — ملے جو نفس کی لذت، تو کام ہے ابتر
یہی جو آپ پہ غالب نمودِ شخصیت — تو کام ٹھیک نہیں، گو درست ہو نیت
جو تختہ تجھ کو اٹھانا ہے رکھ نہ اس پہ قدم — الگ سے زور دکھا، ہاتھ ہی سے لے بس کام
صحیح مولوی باری نے یہ صدا دی ہے — "کلامِ پاک ہمارا امام و ہادی ہے"

اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ اسلام کو بس ہے — باقی ہے اگر کچھ، تو وہ دنیا کی ہوس ہے
توحید کا مسلم نے بجا رکھا ہے ڈنکا — طاعت سے وہ رُکتا نہیں لندن ہو کہ لنکا
دنیا کی یہ ترکیب تو بالو کی ہے اک بھیت — دین جو نظر کیجیے، اسلام کی ہے جیت
"اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ" کا تو کچھ کر نہ سکے یورپ، — "اُمْلِیْ لَهُمْ" ارشاد تھا، ایشیا دبوی توپ

صدیوں کی حکومت نے کیا دین کو مربوط　　اب وہ نہ رہے بھی، تو یہ دین اپنا ہے مضبوط

ہر چند کہ گردوں ہمہ دم درپئے غیر است
دل را بہ خدا دار، کہ انجام بخیر است

میری خودداری کو آخر لے گئے اُس میں گھسیٹ　　اب ہے میری نوحہ خوانی اور ان کی اسٹریٹ
صبر و یکسوئی و تقوے کو کہوں گا میں بجا　　یہ تماشائے حقارت آفریں، لیکن بُرا

مذہب سے بے خبر ہیں، ہے ترک ان سے عربی　　اسکول کی گرامر رٹنے میں عمر گذری
ہو اِن کا سبق قِ[1] اور بنت کا سبق قی　　اس وقت میں کہوں گا، تقویٰ کی ہے ترقّی

شریعت میں ہے صورت فتحِ بدر　　طریقت میں ہیں معنے شقِ صدر
نبوّت کے اندر ہی ہیں دونوں رنگ　　عبث ہے یہ مُلّا و صوفی کی جنگ

خوب یہ قولِ مردِ کامل ہے　　موت بھی ارتقا میں داخل ہے
ہاں جہاں ہے عروجِ روحانی　　نام اس کا ہے قُربِ یزدانی

دامِ فنا میں پھنسنا، اور عمر ختم کرنا　　بے اختیار جینا، بے اختیار مرنا
غوغائے خلق سننا، اور خود بھی دخل دینا　　پھر آنکھ بند کرنا، اور اپنی راہ لینا

عرب سوئے کلیسا یافت راہے　　عجم از دیر می جوید پناہے
شدہ کارِ خلافت ہیچ در ہیچ　　جہاں ہیچ است و کارِ این جہاں ہیچ
بیا اے مہدئ خلوت گزینے　　بیا اے عیسئ گردوں نشینے

ہر چند حالِ دنیا اس وقت منقلب ہے　　ایمان مطمئن ہے اور کفر مضطرب ہے
ظاہر پہ تم نہ جاؤ، ہو اعتبارِ باطن　　عقدہ مرے سخن کا کھل جائے گا کسی دن

نئی تحریک کا دل میں بھی گذر ہے کہ نہیں　　عملی طور پہ بھی اُن کا اثر ہے کہ نہیں

۱۱۹۴۰۳

---

[1] قِ (امر) کہہ، قی (امر... از وَ قی یَقِی صیغۂ امر معروف ۔ ز بانشش بھی کہ ترقّی کا قافیہ ملا ئیے ۔

چھاپے خانوں کی فضا میں تو وہ بیشک بدلے
دیکھنا یہ ہے کہ حالات کہاں تک بدلے
نہیں کافی کہ کمیٹی تری قوت پکڑے
اک جماعت ہو کہ جو دین کی صورت پکڑے

کفر سے جن کو ہے انجام کا خواہاں ہونا
کون تسلیم کرے اُن کا مسلماں ہونا
ہاں وہ آپس ہی میں اس بات کو کرلیں منظور
چور کے بھائی گرہ کٹ یہ مثل ہے مشہور

پالیٹکس جھگڑے چھوڑ دو
ان باتوں سے اب منہ موڑو
کیسے ڈائر، کیسے ہنٹر
لاؤ ساغر، لاؤ کنٹر

اپنی جگہ ہر اک کا ارماں نکل رہا ہے
توپیں بھی چل رہی ہیں جوتا بھی چل رہا ہے
لیکن رہا میں چپکا، دل میں یہ بات سوچی
کس تقویت پہ اُٹھوں، انجینیر نہ موچی

نہ علم دیں ہے کہ راہ خدا کے ہوں ہادی
نہ توپچی ہیں کہ زد میں رہے ہر آبادی
گریجویٹ ہیں، کھاتے ہیں اور تنتے ہیں
بناتے اپنوں کو ہیں، دشمنوں میں بنتے ہیں

مردِ دیندار تھے وقارُ الملک
اُن کا مداح رہتا تھا کُل ملک
حاکموں میں بہت معزز تھے
اہل علم و خرد کے مرکز تھے
آپ کیا پوچھتے ہیں، کیسے تھے
یادگارِ سلف تھے، ایسے تھے
یاد دیں اُن کی لوگ رہتے ہیں
رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں

جو پوچھا کیوں کمر اس منزلِ تاریک میں باندھی
زبانِ حضرتِ شوکت سے بولے با خیر گاندھی

مباش اے رہ نورد عشق فارغ از طپیدن ہا
کہ در آخر بجائے می رسد از خود رمیدن ہا

نواب اور علی سے ترکیب نام کی ہے
مقبولِ طبع خوبی اُن کے کلام کی ہے
کیا لاجواب مطلع کل آپ نے سنایا
سالک نے راہ پائی، عارف کو وجد آیا
اٹھے ہیں جو زمیں پر روشن دماغ لے کر
وہ ڈھونڈھتے ہیں تجھ کو دل کا چراغ لے کر

عرفان و حقائق کے مضامین بہت ہیں　　باطن کی درستی کے قوانین بہت ہیں
معنی میں یہ مطلع ہے مگر سب سے زیادہ　　گویا کہ یہ ہے سارے تصوّف کا خُلاصہ

سیاحیٔ دل کن کہ دیارے بہ ازیں نیست
در یادِ خدا باش کہ کارے بہ ازیں نیست

جانا نہیں پڑا کہیں اُستاد کے لیے　　حاضر کہیں ہوا نہیں میں داد کے لیے
میرے خدا سے دل نے مجھے اپنی یاد دی　　دل ہی نے مجھ کو درس دیا خود ہی داد دی

اشرقی ارشاد کھوٹا ہے نہ باری پر ہے حرف　　صاف آ جائے سمجھ میں گر کرو تم عقل صرف
یعنی اسلامی کتابوں کی وہاں تحریر ہے　　کفر کے ظلموں سے بچنے کی یہاں تدبیر ہے

آپریشن ان مصائب کا یہاں بے بارم ہے　　مسلموں کا قوّتِ ایماں کلورا فارم ہے
جس پہ ہے تاثیر توحیدی کلورا فارم کی　　اس کو دنیا دی مصائب کا نہ ہوگا حس کبھی

کہا گاندھی سے کہ موزوں نہیں یہ آپ کا کام　　ہنس کے بولے کہ مقفّٰی ہے مرا سچّا یہ نظام
آپ کا زور تو جنگی نئے آلات میں ہے　　قافیہ اس کا فقط ترکِ موالات میں ہے

اصطلاحِ ترکِ دنیا محض اک اظہار ہے　　سائنس لی جس نے یہاں آ کر وہ دنیا دار ہے
اصل کوشش ہے وہ تقوٰی ہے گدا ہو یا کہ شاہ　　ہے یہی لازم اسی نکتے پہ تم رکھو نگاہ

اعمال بقدرِ طاقت ہر سُو نکل رہے ہیں　　صاحب تو اُڑ رہے ہیں اور ہم اچھل رہے ہیں
غصے میں ہیں ہم اُن پر وہ ہم پہ ہنس رہے ہیں　　دامِ فریبِ دنیا میں دونوں پھنس رہے ہیں
دونوں کو چاہیے یہ طاعت سے منہ نہ موڑیں　　وہ اپنا جبر چھوڑیں ہم صبر کو نہ چھوڑیں

سوراج آپ کے احباب نے پایا جو اسے حضرت
تو یہ فرمائیے پھر کیا کرے گی آپ کی ملت
وہ بولے "مدتوں تک انگریز ہوں گے ہم سفر اپنے
وہ چل دیں گے وہاں سے سوئے لندن اور ہم مکے"

ہر چیز ہوا ے جناب واپس
عبدہ واپس خطاب واپس

غصے کو کروں میں ضبط تاچند
واپس پتلون لاؤ تہ بند

بیوی بھی خدا سے اب ڈریں گی
واپس لے پردگی کریں گی

جب تک ہی تمھارے جسم میں جان
لپٹا ہی رہے گا تم سے شیطان

آزیہ نہیں ہی جس کا قبضا
وہ بھی کہتا ہی لے محایا

رکھوں گا لوں کو کیوں صفاچٹ
واپس لوں گا میں ریش جھٹ پٹ

بہتر ہی نہ دیکھو پیش یا پس
اللہ کو کردو جان واپس

ہوگی وہی دل نواز اپنی
واپس لوں گا نماز اپنی

کتے موٹر سے بڑھ رہے ہیں
لالہ پھر رتھ پہ چڑھ رہے ہیں

بس آپ ہی کیجیے اُچھل کُود
ہم سے یہ امید اب ہی بے سُود

تیزاب میں ہم تو گل چکے ہیں
ان کے سانچے میں ڈھل چکے ہیں

کانگرس کے ہوے موجد سید
خود گورنمنٹ نے دی ان کو شکست جید

نظمِ بنگال کی تنسیخ ہوی جب ظاہر
تو علی گڑھ بھی ہوا پولیٹکل بالآخر

اب بھی جو حکم ہو حاضر ہیں مسلمان غریب
لازمی بات ہی لیکن کہ ہوں ہندو سے قریب

وضع و مذہب میں تو حضرت ہی نے ڈالا ہی خلل
شدنی تھا کہ وہ قانونِ ادب جائے بدل

ہوشیاروں میں تو ایسے سوز کہاں باقی ہی
چند مستوں میں فقط دل کا دھواں باقی ہی

پرنس کوآپریٹو طرز گو پہلا ہی نیٹو میں
ولیکن حضرت واجد رہے کوآپریٹو میں

امید انڈیا انیس سو انیس میں چمکی
توقع ہو گئی رندوں کو دورِ ساغرِ جم کی

کیا ہی حضرت واجد نے اس کا ترجمہ اچھا
جو مضمون سخت پیچیدہ تھا اب ریشم کا ہی لچھا

لے حسب فرمائش چودھری واجد حسین صاحب ڈپٹی رجسٹرار کوآپریٹو سوسائیٹیز، لکھنؤ۔

ہے ان کی قابلیت اور محنت مدح کے قابل — صلہ پائیں وہ اس کا، دل کو یہ امید ہے کامل

انعام اگر چاہیے، تو حکام سے ملیے — آرام اگر چاہیے، تو رام سے ملیے

دنیا کا وہ حاصل ہے، تو یہ دین کا حاصل — اکبر کا قلم صنعتِ لفظی میں ہے کامل

مسلم کی کہاں کتھا نہیں ہے — افسوس یہ ہے، جتھا نہیں ہے

بند اُس پہ ہوئیں تمام راہیں — اجڑی ہوئی ہیں وہ خانقاہیں

قائم بھی ہوئی تو وہ کمیٹی — کانوں میں گئی ہے جو گھسیٹی

بظاہر تو آثار ہیں خوفناک — یہ تحریک کر دے گی اُن کو ہلاک

مگر یہ بھی کہتا ہے دل، چپ رہو — چہ دانی کہ فردا چہ آید، پڑھو

نئی روشنی کا ہوا تیل کم — حکومت نے اس سے کیا میل کم

ادھر مولوی کس مپرسی میں تھے — نہ آفس میں تھے، اور نہ کرسی پہ تھے

یہ ٹھہری کہ آپس میں مل جائیے — سیاسی کمیٹی میں بس جائیے

اسی میل کا آج کل ہے ظہور — خدا جانے ظلمت ہے اس میں کہ نور

حضرتِ برہم نے فرمایا پسند اس راے کو — اونٹ کو زیبا متانت، اور کلیلیں گاے کو

ان کو بڑھنا چاہیے، اور ہم کو بچنا چاہیے — ہوم رول اُن کو مبارک، ہم کو تقویٰ چاہیے

یہی گاندھی سے کہہ کر ہم تو بھاگے — قدم جمتے نہیں صاحب کے آگے

وہ بھاگے حضرتِ گاندھی سے کہہ کے — مگر سے بیر کیوں، دریا میں رہ کے

ہیں ہنود ان کو آپریشن کے لیے تیار جست — تم تو لیکن اینٹی کو آپریشن میں ہو مست

وہ دلاتا ہے دلِ دیندار کو تقویٰ کی یاد — اینٹی کو آپریشن ہے، مگر شر و فساد

درسِ[1] نظامیہ کی تعلیم یاں ہے کامل — اور سلسلہ ادب کا پورا ہے اس میں شامل

۱؎ حسبِ فرمائش حکیم فخرالدین صاحب، نسبت مدرسہ مصباح العلوم۔ ۱۴ دسمبر سنہ ۱۹۲۰ء۔

علم کلام و فقہ و تفسیر بھی یہاں ہے — درس حدیث بھی ہے، داخل فن بیاں ہے
شامل ہیں سلسلے میں سارے علوم منطق — ہر خواندگی ہے اعلیٰ، تنظیم کے مطابق
تجوید و حفظ قرآں کا اہتمام بھی ہے — اور ابتدائی عربی کا انتظام بھی ہے
دارالاقامہ میں ہے یہ خاص مصلحت بھی — پیش نظر ہے یعنی طلبہ کی تربیت بھی
اس مدرسے کی امداد اب آپ پر ہے واجب — شفقت کا مستحق ہے، جو علم کا ہے طالب

زہے برکت حضرت غوث پاکؒ — کہ ہے نام سے ان کے دل تابناک
نبی کے وہ پیارے، خدا کے ولی — شگفتہ ہے اس نام سے ہر کلی
اسی ذکر سے ہے یہ محفل لطیف — بجا ہے، کہیں گیارھویں کو شریف
سعادت ہے اس کی کہ جو ہو شریک — کرے دین و دنیا کے اعمال ٹھیک
یہ ہے عرض میری بہ عجز و نیاز — کہ احباب مجھ کو کریں سرفراز
ثواب آخرت کا بھی حاصل کریں — سوئے حق طبیعت کو مائل کریں
سنیں ذکر حضرت دلی ذوق سے — تناول کریں ماحضر شوق سے

پوچھتا ہوں آپ گاندھی کو پکڑتے کیوں نہیں — کہتے ہیں وہ آپس ہی میں تم لوگ لڑتے کیوں نہیں
پیچ قسمت کے تمہارے جب دکھائیں گے کجی — عادلانہ رنگ میں اٹھ کر کریں گے ہم بھی

یہ سچ ہے کہ اصلاح ملکی ہے فرض — مگر سب سے ہے عاجزانہ یہ عرض
کہ تذلیل و توہین ملت نہ ہو — جدائی جو ہو بھی، عداوت نہ ہو

مکن تکیہ بر عمر ناپائدار
مباش ایمن از بازیِ روزگار

مذاہب کا باہم حریفانہ رنگ — کیا کرتا ہے دل عزیزوں کا تنگ

۱؎ حسب فرمائش عبدالحمید پسر محمد امیر نقاش، ساکن بخشی بازار۔ ۱۴ر دسمبر سنہ ۱۹۲۰ء

مصالح کے آگے دباؤ اُسے — مباحث میں ہرگز نہ لاؤ اُسے
روا ہے، رواں ہو دلیلوں کی لہر — مگر روک رکھو مُطاعِن کا زہر
مقوی ہو گو بہرِ ملت وشم — مگر خوب ہے اس کا اخفا بہم

خواہ میوہ ہو، خواہ ہو انگور — دونوں اب ہیں بہ قبضۂ لنگور
پالسی میں رند اب جو پڑتے ہیں — ان کے دل مفت ہی میں سڑتے ہیں
قلمی جنگ گو ضروری ہے — باہمی بغض بے شعوری ہے
دَور کام اپنا کر ہی جائے گا — یہ زمانہ گذر ہی جائے گا
چین دنیا کو اب نہ ہوگا نصیب — اس سے بدتر زمانہ بھی ہے قریب

بڑے دن میں اس سال خاموش رہیئے — طبیعت نہ مانے، تو اتنا ہی کہیئے
اُدھر تولیہ اور صابن مبارک — اِدھر تمہیں ترکِ تعاون مبارک

میری روٹی آپ لے سکتے نہیں — کیا مجھے پاپڑ بھی دے سکتے نہیں
میری جانب کچھ نہیں ہے چھوت چھات — کیوں نہ پاؤں گاہے ماہے اک پرات

زمانے میں شورش ہے، ہے — وہ دیکھو پڑاستے کی گڈّی دغی ہے
اِدھر اسٹرائک، اُدھر ہوم رُولی — کہاں تک بھریں جیل، اور دیں وہ گولی
مگر ایرشپ سے توقع ہے پوری — کہ رکھے گا قائم وہ امن ضروری
یہی ظاہری بات پیشِ نظر ہے — خدا کے ارادوں کی کس کو خبر ہے
عجب کیا، نصیب ایسے بندوں کا جاگے — کہ جو گڑگڑاتے ہوں مالک کے آگے
بنے آج ابلیس طاقت کے رشتے — اکڑنے کو جکڑیں گے اک دن فرشتے

موت کا آنا یقینی، عالمِ فانی میں ہے — آدمی غافل مگر لذّاتِ نفسانی میں ہے
نیشنویٹ کو بھگتنا اک نہ اک پہلو سے ہے — دل مگر لیے جس زر و اعزاز کے جادو سے ہے
فطرتی پھندا بھی ہے، مغرب کی بھی ترکیب ہے — عاقبت مخدوش خودداری کی بھی تخریب ہے

کیا عجب پہنچا جو ہے ملت کی صحت کو ضرر
کچھ ہیں بے پرہیزیاں اور کچھ ہے موسم کا اثر

وہ خزانے کی چھناچھن بھی سنا کرتا ہوں
چاند ماری کی دنادن بھی سنا کرتا ہوں

وہی دنیا پہ حکومت طمع و خوف کی ہے
بس یہی وجہ کلیسا میں مری طوف کی ہے

یہ مساوات و محبت کا فقط شور ہی ہے
کار دنیا میں موثر تو فقط زور ہی ہے

دور بدلا ہی کریں گے یہ چرخ گرداں
استقامت رہ طاعت میں ہے کار مرداں

رحم و اشفاق پر اگر ہو نگاہ
تو نہیں آپ کا کوئی بدخواہ

حکم مانو مسیح و قادر کا
نہ ہو کھٹکا علی برادر کا

پاؤ گے پہونچنے بھی نہ تم اُس کی مدد کو
مٹی میں ملا دیں گے یہاں اس کے جسد کو

ہاں بنگلہ نشیں لوگ تمہارے ہوں طرفدار
محفوظ رہیں گو کہ برستی رہی پھٹکار

قومی راہوں کے تھے جو سالک
اب ہو گئے بخشیؤ الممالک

جاتی رہی اُن کی کم نگاہی
ہر گھر میں ہے اب تو بادشاہی

نا فہم کو اب یہ ڈانٹتے ہیں
دولت آپس میں بانٹتے ہیں

انگریز کی تھی جو کچھ کمائی
ٹھہر اُس پہ انھیں نے اب ہٹائی

شاہی کا گر سکھا دیا ہے
ہر ایک کو سبق سکھا دیا ہے

نیت دل میں سڑی ہوئی ہے
منہ میں ایسپیچ اڑی ہوئی ہے

دھوتی کے ہیں پیچ اُن کے آگے
پتلون ہے ہیچ اُن کے آگے

بھائی کی تو ٹانگ توڑتے ہیں
لندن میں ہاتھ جوڑتے ہیں

غیروں کے ساتھ بہہ نہ جاؤ
رہنے نہ دو یا تو رہ نہ جاؤ

ملکی عزت تو بھینٹ میں ہے
اپنا مطلب وہ ٹینٹ میں ہے

سب دے گئے دوڑنے میں گاندھی
جیتے میدان بھائی گاندھی

جب چوٹ نہ ہو تو جاگنا ہے
کھٹکا جب ہو تو بھاگنا ہے

دنیا کا جو کھیلتا ہے پھگوا انگریز ہی رہے گا اگوا
کرتا تو غریب کا ہے مہنگا رانی پہنیں زری کا لہنگا
صاحب کا حساب اُن سے سُن لو ہر مد کا جواب اُن سے سُن لو
گنگو بھائی جو موجزن ہیں حسُّو بھی حریفِ اہرمن ہیں
کونسل میں یہی ہیں مالکِ میز چوکی پہرے کو بس ہیں انگریز
شاخوں کو کتر رہے ہیں کلّو اور دُور سے دیکھتے ہیں مُلّو
لالہ صاحب، کہ میر صاحب دونوں اب ہیں "وزیر صاحب"
سینوں میں نہاں ہے بے وفائی چہروں پہ ہے رند کی صفائی
تہمد آگے لٹک رہے ہیں غازی ہیں، مگر مٹک رہے ہیں
بھلوے ہیں یہ فاتحے کا قصّہ بچّوں کا سا مانگتے ہیں حصّہ
روپے کی ہے اک طرف چھنا چھن توپوں کی ہے اک طرف دنا دن
لگتا نہیں ان کا اب کہیں جی بیتاب ہوئے ہیں لکشمی جی
شیعہ بھائی ہیں پاے کے ساتھ ہندو بھائی ہیں گاے کے ساتھ
پوتھی پنڈت کی ہے اکارت لالہ ہوئے عاشقِ وزارت
دفتر کا جو ہو پسند نخرا چھوڑو، بھائی سے حصّہ بخرا
انگلش کام اپنا کر رہے ہیں گاندھی نام اپنا کر رہے ہیں
بھاڑے کے بنے ہیں یہ جو ٹٹّو سمجھ انھیں کھیل ہی کے لٹّو
دکھلا جو گیا سُرین بندر حضرت سمجھے، اُسے چقندر
کیا کام چلے گا گالیوں سے دریا نہ بہے گا نالیوں سے
گاندھی ہی کو دیں وہ الٹی میٹم ہم تو اب اڑتے ہیں گیٹم
خوانِ الوان پہ کرتے ہیں جَسْت بُرے غافل ہیں، رنگ میں مست

جھوٹا ہے رفارم کا بہانا
ملکی دولت کا ہے اڑانا

وہ کہتے ہیں لو گھر کی گورنمنٹ — مگر چورن میں شامل ہو پیپرمنٹ
ادھر ہے شیخ سعدیؒ کا کھلا بند — دو سلطاں در یک اقلیمے نگنجند
یہی باعث تو ہے، پورا سوراج — طلب کرنے لگے گاندھی مہاراج
خدا کی یاد میں ہیں صاحب جس — چلی جائے گی دنیا کی یہ کھس کھس
ابھی تو زور مغرب ہنس رہا ہے — ضعیف الحال مشرق پھنس رہا ہے
ہمارے یار پٹنے پر ہیں نازاں — ہمارے نقش مٹنے پر ہیں نازاں
ہم ہیں معذور، گھر ہی میں ہیں دھرے — عافیت میں خلل پڑا، تو مرے
جس کو ہو زور خانہ جنگی کا — وہ کرے سامنا فرنگی کا

مثنوی

بنایا تم نے چندوں کی فراوانی سے کالج کو
نئی تعلیم نے کھویا، بزرگانہ مدارج کو
زمینداروں سے کہہ دو، بھائیو بے سود روتے ہو
اسامی بیل، صاحب آدمی، تم کون ہوتے ہو
بس اب تو لاٹ صاحب کو دعا، اور گھر کا کونا ہے
چلے گی پوپ ہی کی، کام ردی ہی سے ہونا ہے

یہ مغربی ترقی اخلاق کی عدو ہے — گھر گھر ہے اس کا چرچا، یہ ذکر کو بہ کو ہے
عمدہ حدیث اکبر چاہو جو یاد کرنی — رکھو نظر کے آگے، خیر القرون قرنی
دینی طریق کو اب سمجھے ہیں اک تماشا — کالج کے کورس پر ہم گرتے ہیں بے تحاشا

وہ فخر امرِ دینی دل سے نکل گیا ہے ۔ عزت کا اب تو ہم میں حس ہی بدل گیا ہے
حس سے کہاں مفر ہے، احساس ہے تو سب کچھ ۔ ہو جائے پاس لڑکا، اور پاس ہے تو سب کچھ
وہ مِس کو سج رہے ہیں، غازے کی لے کے پڑیا ۔ اور ان کے ضد پہ ہم بھی، اب کھیلتے ہیں گڑیا

قولِ شیطاں ہے کہ کیا غم ہے، مرا نام مٹے ۔ اصل مقصود مرا یہ ہے، کہ اسلام مٹے

کہہ دو یہ اس سے، کہ کتنا ہی چھپے اس کا اثر ۔ غیر ممکن ہے کہ لاحول نہ برسے اُس پر

گاندھی ہے گئو آدمی، وہ بُل[1] تو نہیں ہے ۔ گجرات ہی کی بات ہے، کابل تو نہیں ہے
کچھ اس سے بھڑکنے کی ضرورت تو نہیں ہے ۔ متی ہوں خطرناک، وہ صورت تو نہیں ہے

چالاک پہلے ہی سے برگڈ کے ہیں مجاور ۔ غافل ہیں آخرت سے، محوِ نشاطِ خاطر
عاقل تو تھے، بتدریج اب وہ کھسک رہے ہیں ۔ بچوں پہ کونسلوں میں جا کر ڈبک رہے ہیں
جو ناتواں ہیں ہم سے، اب وہ بھی بچ رہے ہیں ۔ جو چاق تھے بہت کچھ، کچھ وہ بھی لچ رہے ہیں
با ایں ہمہ بہت ہے، تاثیرِ عزمِ گاندھی ۔ طوفاں اُٹھا ہوا ہے، اور چل رہی ہے آندھی
قانون ہے پریشاں، سرکار کو ہے چکر ۔ آلودہ گرد میں ہے، جو تھی سفید شکر
کچھ شک نہیں کہ آئی ہے کُل کے کُل کی شامت ۔ محفوظ ہیں اگر کچھ، تو صاحبِ طریقت
لیکن وہ حالت ان کی، ہے صرف انفرادی ۔ ظاہر میں کچھ نہیں ہے، مخفی ہے خوش نہادی
وقتِ دعا ہے، سب کو ہم ہوں کہ تم کہ صاحب ۔ رنگِ زمانہ یہ ہے، سب کا سکون غائب
اعمالِ زشت کے اب نکلے ہیں یہ نتائج ۔ شیطان ہی کے سکے بس ہو رہے ہیں رائج
باقی نہیں دلوں میں اللہ کا ادب کچھ ۔ یہ نازنیں جماعت، اب گم کرے گی سب کچھ

کمپونڈر مگن ہیں، شیشی اُبل رہی ہے ۔ گائیں کلیلیں پر ہیں، بکری اُچھل رہی ہے
ہے ان کے ڈاکٹر[2] کو انعام کی مسرت ۔ احباب شاد و خرم، اور حاسدوں کو حسرت

---

[1] یعنی سانڈ۔

[2] پرتاب گڑھ کے ڈاکٹر صاحب، جن کی ماتحتی میں سعید سلّمہٗ کام کرتے ہیں: اپریل سنہ ۱۹۲۱ء۔

ظالم نے ظلم و جور سے مجھ کو کیا تباہ — بعد اس کے رحم سے مری حالت پہ کی نگاہ
پوچھا سبب تو اُس نے بہ صد ناز یہ کہا — موقع نکالنا تھا مجھے لطف و رحم کا

گورنمنٹ کی یہ جو تعلیم ہے — گورنمنٹ کی یہ جو اسکیم ہے
نمایاں ہوئے لیڈرِ دل پذیر — بنایا ہے نیٹو کو اُس نے وزیر
اسی میں ہیں پوشیدہ کل برکتیں — خبردار چھوڑو بُری حرکتیں
جو صاحب کہیں مان لو اُن کی بات — بس اب پاپ چھوڑو کرو پُن کی بات

بھائی گاندھی کا وسیلہ چاہیے — ہر ضیم کابُل کا بھی پورا چاہیے
دور ابھی ہے پیٹ چلنے کی بہار — آج کل تو ہے نگلنے کی بہار

بحث آج ہے گورے کالے کی — بُو گئی مذہبی مسالے کی
متحد ہوں اگر نہ دیر و حرم — رہ نہ جائے گا ایشیا کا بھرم

بگڑے ہیں گو خرابیِ تعلیم سے عمل — آتا نہیں ہے فہم و عقائد میں کچھ خلل
اغوا میں گو ہنوز شیاطین چُست ہیں — شکرِ خدا کہ دل تو ہمارے دُرست ہیں
اسراف و میکشی کو بُرا جانتے ہیں ہم — کبر و غرور بد ہے اسے مانتے ہیں ہم
ہر چند ہے طمع بھی بہت، مصلحت بھی ہے — لیکن سمجھتے ہیں کوئی چیز آخرت بھی ہے
باہم کچھ اختلاف ہو گا بھی لڑائی ہے — لیکن خیال ہے کہ ہمارا یہ بھائی ہے
دنیا میں انقلاب ضروری ہے روز و شب — ہے یہ دعا "نصیب رہے طاعت و ادب"

لالہ صاحب کو تو سوراج کی ترکیب ہے ٹھیک — شیخ جی کود کے کیوں ہو گئے اس میں شریک
لالہ صاحب کو تو سوراج کی ہنڈ کلیا ہے — شیخ صاحب کے لیے نُقل ہے اور تلیا ہے
ان کے اس ڈاڑھی کو چٹیا سے تعلق کیا ہے — ان کے اس بدھنے کو لٹیا سے تعلق کیا ہے

قربِ باری کے یہ معنی ہیں کہ ظاہر ہو اثر — ورنہ اک ذرّہ بھی دُور اس سے نہیں اے اکبر
دل شگفتہ ہو، کرامت ہو، کرے خلق قبول — بے تکلف ہو طبیعت، طرفِ ترکِ فضول

حد میں رہیں مخالف، اس کا خیال رکھا
صاحب کی مصلحت نے گاندھی کو پال رکھا

کونسل کے دوستوں میں کوئی کسر نہیں ہے
اس وقت تو مزے ہیں، کل کی خبر نہیں ہے

نہ شائق ہسٹری کا ہوں، نہ مطلب مجھ کو ناول سے
مگر ہوتا ہوں خوش اس فصلِ سرما میں رِساؤں سے

وہ میخانہ کہاں، اب وہ نہ ساغر ہے نہ ساقی ہے
مگر رِندوں پہ باقی خاں کا لطف البتہ باقی ہے

خدا محفوظ رکھے چشمِ بد سے اُن کو دنیا میں
رہیں اعزاز سے زندہ، بلندی پائیں عقبیٰ میں

دل اپنا اُدھر لالہ روٹھا دکھائیں
اِدھر لاٹ صاحب انگوٹھا دکھائیں

یہ انگریز دانوں کا ہے کُل طریقہ
نہیں شیخ صاحب کو اِس میں سلیقہ

اس کا دریائے ترنّم جو تکلف سے بہا
سخن خوب مُفتی نے یہ بلبل سے کہا

"ذوقِ فطرت میں طلب لذّتِ فریاد کی ہے
تجھ میں تحریک جو کچھ ہے، ہوسِ داد کی ہے"

ان کی منزل کے مسافر ہو گئے
دیکھیے شملے پہ حاضر ہو گئے

لاٹ صاحب نے بہت اچھا کیا
سوت کو بھی ریشمی لچھا کیا

کچھ ملائم طبع گاندھی ہو گئے
اب نسیمِ صبح آندھی ہو گئے

شیخ جی تم کو مبارک دمِ بدم
ہم تو کہتے ہیں، کہ گاندھی جی کی جے

فرق ظاہر گاسے اور ڈل ڈل کا ہے
وحشت افزا ہم میں بُل کابُل کا ہے

حضرت گاندھی پھرے ہیں شملۂ پُر نور سے
واپسی موسیٰ کی یاد آئی ہے کوہِ طور سے

مشتہر اخبار میں کر دیں اسی مضمون کو
اور بندوں کو بھی حاصل ہونے والا ہے عروج

کمزور نہیں ہیں لاٹ صاحب
پالک سے نہیں ہے زہر غائب

لیکن اس پالسی کو دیکھو
گڑ سے جو مرے، تو زہر کیوں دو

صد شکر کہ کام کر گیا گُڑ — بالو ٹوٹے تھے پھر گئے جُڑ

اظہارِ جوشِ طبع میں وقت اپنا کھو چکے — اونگھے جنابِ شیخ بھی گاندھی بھی سو چکے
پنڈت سکھائیں بیچ میں پڑ کے تو کیا کریں — کائیں کے بیل سے گائے جو بھڑکے تو کیا کریں
صاحب کا بھی بھلا ہو کہ امن سُجھا دیا — پنڈت کا بھی بھلا ہو کہ شعلہ بجھا دیا

دماغِ مغربی پر مشکل پڑی ہے — ترقی آسماں سے پھٹ پڑی ہے
یہ ان زوروں جو اتنا شور و شر ہے — اسی جوشِ ترقی کا اثر ہے

لاجپت ہیں ہر جگہ ممدوحِ ہندستان میں — مطلعِ آتش یہ ہے گویا انھیں کی شان میں
لالۂ بے داغ تجھ سا کوئی گلشن میں نہیں — ایک بت اس شان کا دیرِ برہمن میں نہیں

اے خدا! مجھ کو کر دے صاحب لوگ — دور ہو مجھ سے اس جہنم کا روگ
میرا قالب ہو قالبِ مغربی — بھول جاؤں زبان بھی اپنی
رنگ چہرے کا میرے جائے بدل — کروں ایجاد میں بھی توپ و رفل
سو کے اُٹھوں جو آج صبح کو میں — سب یہ سمجھیں کہ لاٹ صاحب ہیں

مشینِ مغربی کو گاندھی کا چرخہ کھو نہیں سکتا — بنے وہ سحر یہ موسیٰ کا ڈنڈا ہو نہیں سکتا
علاج اس کا جو ہے قرآں کی رو سے صبر و تقویٰ ہے — مگر تیرے عمل کو اس طریقے میں تو لقوا ہے

تم یہ کہتے ہو "وہ اچھے جو سول لسٹ میں ہیں" — میں یہ کہتا ہوں "وہ طوفان میں ہیں مسٹ میں ہیں"
دنیوی عزتِ فانی میں فقط رہتے ہیں مست — خوب تو وہ ہیں حقیقت میں جو ہیں مستِ الست

مخالف ان کے ہو سکتے ہیں تو ہر موقع پہ پٹتے ہیں
اگر ان سے الگ ہوں صفِ ملکی سے ہٹتے ہیں

دل ان کے ساتھ باقی ہے نہ حاضر کا نہ غائب کا
خدا ہی ہے جو بیڑا پار ہو اب شیخ صاحب کا

سہ دعائے کلثوم ۔ ا۔ پست ہمتی غبار ۔ دُھند۔

جوہیں مالوی اور شوکت میاں لگے کرنے آپس میں سرگوشیاں
جدا جب ہوئے اور ملے بزم میں تو پایا گیا یہ دلی عزم میں
وہ بولے کہ "کابل سے ہوگا گزند کریں گے ہم انگریز ہی کو پسند"
یہ بولے کہ "ہندو کا ہوگا جو رُول ہم انگریز ہی کو کریں گے قبول"
نہ تھا اُن کے آپس میں کچھ اس سے رنج یہ پڑھنے لگے ہو کے وہ نغمہ سنج
"کریما بہ بخشائے بر حالِ ما
کہ ہستم اسیرِ کمندِ ہوا"

سچ یہ ہے کہ یاروں نے بڑے زور لگائے سوئی ہوئی قسمت کو مگر کون جگائے
گم ایک ہی جھونکے میں گل و سرو و صنوبر دُم گاسے کی واں ہل گئی اور پھر وہی گوبر

بجھی جاتی ہے شمعِ مشرقی مغرب کی آندھی سے
امید روشنی قائم ہے لیکن بھائی گاندھی سے

ادھر تائیدِ باری ہے ادھر تعلیم گاندھی ہے
درِ مقصود کو کھولے خدا ہمت تو باندھی ہے

ہر وقت اُن سے قائم ہے غفلتوں کا پردا اقساط ہا ہے باقی اُمید ہائے فردا
میں کیا کہوں مگر کیا میرے خیال میں ہے میری نگاہِ حیرت مصروفِ حال میں ہے

ہمارے مالوی جی جب برہمن دیوتا ٹھہرے
تو پھر گاندھی ہوں اُن کی شہرت سے منحرف کیسے

ہمارے بھائی گاندھی ایک قانونی مجاہد ہیں
اسی سے شوکت اینڈ کو ہر طرح اُن کے مؤید ہیں

بلاؤں سے خرد مندوں کے یاں بچنا ہی پڑتا ہے
ادب قانون کا واجب جو ہو بچنا ہی پڑتا ہے

سمائے سینگ اے بھائی جدھر تم اُس طرف جاؤ
زباں میری تو کہتی ہے کہ بس خالی بھجن گاؤ

کراتے ہیں ہم سے بیجا کا جو طوف ۔ نہ سمجھو کہ انگریز کو کچھ ہے خوف
یہ مطلب ہے جینے کا سب لیں مزا ۔ نہ کرنی پڑے مفسدوں کی سزا

مرغا کیوں کر بنے گا بلا ۔ ایسا جو کہے وہ ہو پہلا
ہرگز نہیں باز بھائی کلو ۔ ہدہد کو بنا دیا ہے اُلو

دھوتی ارماں نکالتی ہے ۔ پتلون پہ تیغ ڈالتی ہے

بار فرمائش مرے آرام کو کھونے لگا ۔ بس مروت رہ گئی ہے شوق کیوں ہونے لگا
داد سے سیری ہے شہرت سے کوئی حاصل نہیں ۔ رہ گئی گپ اب وہ میری عمر کی منزل نہیں

ہمیں چرخہ وہ کیوں دیتے ہیں کیوں کھدر پہناتے ہیں
وہ بولے "تم قلی ہو شکل بھی دیسی بناتے ہیں"

یہی بہتر ہے صورت اور معنی میں ہو یکسانی
لباس اُن کا قلی کیوں مول لیں ہے یہ تو نادانی

کورانہ ترنگی قوت کی کچھ فائدہ اُن کو دیں گی نہیں
نقشوں میں لکیریں کھینچنے سے فطرت کی حدیں بدلیں گی نہیں

ذروں کو تغیّر ہے ہر دم ادراک ہو جس کو خواہ نہ ہو
ضائع ہے نظر تیری اکبر جب پیش نظر اللہ نہ ہو

نظم

یہود و گبر و نصاریٰ و مشرک و ملحد ۔ مرید فطرت و بے دین و پیش بُت ساجد
یہ احمدی یہ روافض اسی یہ کلرک ۔ کریں رفاقت برطانیہ کو یہ سب ترک

اگرچہ ان میں بھی باہم کچھ اتحاد نہ ہو — اگرچہ ایک کی عظمت سے ایک شاد نہ ہو
ترا ثبوت طریقت یہی ہے اے درویش — کہ سب یہ تیرے ہیں بالاتفاق بد اندیش
نظر تری ہی ہے توحید اور رسالت تک — رہیں گے تیرے مخالف یہ سب قیامت تک

مثنوی

دنیا سے تعلق جن کا ہے، وہ خوش نہ سہی، مشغول تو ہیں
پژمردہ جو ہیں بھی سرتاپا، شاخوں میں لگے ہیں، پھول تو ہیں
آفت تو ہماری جان پہ ہے، دنیا کا تعلق چھوٹ گیا
بس طوقِ گلو ہے رشتۂ جاں، اُمید کا رشتہ ٹوٹ گیا

سوانح خاص

اچھے ہیں حسین بھی، علی بھی محبوب — ہے عمر دراز اُن کی حق سے مطلوب
دونوں لڑکے حسن کے نامی ہوں گے — خواجہ[1] وہ ہوں گے، یہ نظامی[2] ہوں گے

نمبر کا آفتاب پیرس میں غروب ہے — بھگوان بیر[3] ہی کو دکھائے تو خوب ہے

نارا، پراگ والے بھی پھنسے — جورو سے چھٹے، تو آ کے جوری میں پھنسے

نہ پوچھو میاں نوح سے گھی کا بھاؤ — سمجھ لیں کہ ڈھائی، اٹھیں تین پاؤ

کہاں کا فاتحہ[4] اور کیسا حلوا — پٹاخوں نے مچا رکھا ہے بلوا
ہر اک سو بھاگتے پھرتے ہیں مُردے — نہیں لگتا زمیں سے ان کا تلوا
الہ آباد میں چھوڑی وہ مہتاب — کہ جس کی روشنی ہے تا بہ کلوا[5]

---

۱ حسین ۔ ۲ علی ۔ ۳ بیر نمبر لاہور ۔ ۴ شبراتی ۔
۵ نام اسٹیشن ۔

یہ وہ شب ہے کہ عشرت کو لگی بھوک — اُتر آیا فلک سے منّ و سلویٰ

بیس فاقوں پہ عید[1] آئی ہے — خوب ہی آج تو کھلائی ہے
مولوی صاحب کے چہرے پہ نہیں ریش — کچھ سویّاں ہیں کچھ ملائی ہے

یکے سال آتا ہے عشرت میرے دل میں یہ خیال — عیدِ اضحیٰ کا انوکھا میں کوئی ساماں کروں
لا لبِ الحلوں کو مہمان بناؤں اپنا — بُزِ اَخفش کوئی مل جائے تو قربانی کروں

عید کا دن ہے آج میرے خدا — میرا کوئی نہیں ہے تیرے سوا
مجھ کو عیدی عطا ہو اے رحمان — قلب کو میرے بخش اطمینان
انتظامِ سکونت و صحت — کر دے ایسا کہ دل کو ہو راحت
سو طرف خلق کی ہے آج نگاہ — میرے لب پر ہے صرف یا اللہ

رباعی

فطرت کے رموز عقلِ انساں سے ہیں دور — بے کار ہیں اس مقام پہ عقل و شعور
دیکھو یہ عجیب بات ہے اے اکبر — مرنا بھی ضرور اور اس سے بچنا بھی ضرور

غیرتِ عرفاں سوز دل جس کا تھا شغل — روح اس کی نکل کے نورِ لاہوت بنی
خوالی برگشتہ جو رہا مشغلہ گمری — جان اس کی کسی گو دام کی بھوت بنی

خاموش بُرائی کرنے والے ہیں کھڑے — اس وقت تو وہ بُرا جو صاحب سے ڈرے
کہتے ہیں ہمیں مصیبتوں میں پڑ جائیں — کب تک یہ ڈریں کوئی مصیبت نہ پڑے

دقت میں ہیں سب اک اک کا منہ تکتا ہے — خاموش کوئی ہے اور کوئی بکتا ہے
ہونا ہمیں چاہیے کچھ اب یہ کیونکر — لیکن یہ کہوں گا ہو بھی سکتا ہے
انگلش کو خدا نے بادشاہی دی ہے — رفتارِ زمانہ نے گواہی دی ہے

[1] عیدی بہ لقرعیدی۔ ؎ ۸ جون سنہ ۱۹۲۱ء، روز چہار شنبہ پرتاب گڑھ۔

ٹٹو بھی لگاتے ہیں مدریا کا دُم ہنڈو کو چلم بھی لالہ ساہی دی ہے

مانا کہ رشی ہو تم، اور اچھا دل ہے فطرت کی طرف سے مغربی عاقل ہے

بھائی گاندھی سے کوئی کہہ دے کہ جناب انگریز سے جیتنا بہت مشکل ہے

تہذیب قدیم کے جب ارکان تھے چست ملکی حالات سب رہے صاف و درست

تعلیم جدید نے کیا فتنہ بپا اے بادِ صبا این ہمہ آوردۂ تست

دنیا طلبی میں عاجزی کی تو نے دینی اکرام کیا کیا، کچھ نہ کیا

بس نفسِ حریص کا رہا تو خادم اللہ کا کام کیا کیا، کچھ نہ کیا

بنگلوں سے نماز اور وظیفہ رخصت کالج سے امام ابو حنیفہ رخصت

صاحب سے سنی ہے اب قیامت کی خبر قسطنطنیہ سے ہیں خلیفہ رخصت

صاحب سے رکے تو راحتوں کو ترسے شوکت سے اگر پھرے، تو لعنت برسے

بہتر ہے کہ پڑ رہے توکل بہ خدا باہر رکھے قدم نہ اپنے گھر سے

دشوار ہے مستحق آنر ہونا کچھ سہل نہیں علی برادر ہونا

ہاں سب دعا یہ کریں کہ ان بندوں کو آسان ہو پیر و پیمبر ہونا

دنیا میں جو ہو چکا ہے، کافی ہے سبق کیا ہوگا، قیاس کیوں الٹتا ہے ورق

فتنوں کی جگہ یہ ہے، سمجھ تو اتنا مرنا ہے ضرور، اور قیامت برحق

دل وہ ہے، محو ہو ہر دم طلبِ یاری میں زندگی وہ، جو کٹے موت کی تیاری میں

حسنِ اخلاق ہے، دلداریٔ دنیا کرنا خطرہ جو کچھ ہے، وہ دنیا کی طلبگاری میں

مخمس و مثلث

شریف کعبہ کی دیکھی جو کچھ بدلی ہوئی خصلت　　سوے دیر آیا وہ، طوفِ حرم کی چھوڑ کر رغبت
لگاوٹ نے نگاہیں کیں جو بُت نے از رہِ الفت　　پشیمان قصیدۂ عرفی بر در بیت خانہ گرحسرت
برہمن گفت "این کافر چہ استادانہ می رقصد"

مسدس

اے بھائیو! ہے دل میں تمھارے یہ ٹھنی کیا　　سچّا ہی شکوہ، یہ بتاؤ، شدنی کیا
بگڑی بھی کچھ اُن کی، تو کہو اپنی بنی کیا　　بے فائدہ تم کر رہے ہو رائے زنی کیا
بس صبر کرو، طاعت و تقویٰ میں گذارو
رکھو سرِ تسلیم کو خم، حق کو پُکارو

کہیئے اگر، تو ریل کی پٹری اُکھاڑ دیں　　ارشاد ہو اگر، کوئی بنگلہ اُجھاڑ دیں
دفتر میں کاغذات جو ہوں، اُن کو پھاڑ دیں　　دو اک جو پہرے والے ہوں اُن کو پچھاڑ دیں
لیکن نتیجہ کیا؟ وہی فیر اور بھاگ بھاگ
ہنٹر کا غم وہی، وہی پھر جلنے پر آگ

انقلابِ رنگِ دنیا کی یہ ہے طرفہ بہار　　طاق میں کوئی نہ گلدستہ، گلے میں ہے نہ ہار
یہ دعائیں ہند میں ہوتی ہیں بس لیل و نہار　　خانساماں ہوں کلب میں، یا ہوں مندر میں کہار
گم ہوئی روحانیت، اور مادّے کا ہے ہجوم
لاٹ صاحب کا اِدھر زور اُس طرف گاندھی کی دھوم

قطعات

جس کے لائق تھی جو چیز، اُس کو ملی ہے خدا ہی کی طرف ہر اک کا سورس

ان کا پاکٹ، اور پیداوارِ مُلک حافظہ بندے کا، اور کالج کا کورس

مبدل اس کو راحت سے خدا کر دے گا اے اکبر

مصیبت کی مگر افسوس، ابھی تکمیل باقی ہے

نہ ہو مایوس اہلِ جور کی اس کامیابی پر

خدا نے ڈھیل دے رکھی ہے، اور وہ ڈھیل باقی ہے

بمجبوری لسان العصر سے ہوتا ہوں میں رخصت

ابھی شملے مجھے جانا ہے، گو تعطیل باقی ہے

ترجمہ آیت قرآں کا سناتا ہوں تمھیں جس میں ہوا اس کی جگہ، دل وہ ہے، سینا وہ ہے

”فقط اک لہو و لعب ہے یہ حیاتِ دنیا بعد مرنے کے جو پیش آئے گا، جینا وہ ہے“

ادھر دیکھو اے طالبانِ معانی یہ مے جوش زن ہے مرے دل کے خُم میں

شریعت، طریقت کو کیا پوچھتے ہو شریعت ہے تم پر، طریقت ہے تم میں

گاندھی اور مالوی ہیں گو یک دل اختلافات کچھ ہوئے ظاہر

مختلف ناپ کے ہیں دونوں سرے گاؤ دم ہو کے رہ گئے آخر

مسجد کے اتحاد کی پروا نہیں رہی دونوں کے اختلاف پہ سو دل سے ہیں نثار

تقلید طرزِ نو کے ہوئے جب مُرید تم پھر اس کا کیا گلہ کہ ہے ملت میں انتشار

یہ ملا ہیں اب ساقطُ الملکیت مگر سیر مسجد کی ہے برقرار

وہی لب پہ اللہ اکبر کا جوش وہی دست بوسی، وہی اعتبار

”علاقہ بھی واپس کرا دے خدا دعا ہے یہی سب کی لیل و نہار“

ریلوے کو فائدہ جن سے ہے وہ لیڈر تو ہیں　　رُعب میدانوں میں تھا جن کا وہ غازی اب کہاں
عاجلانہ کر کے سجدے چل دیے گو دام کو　　جن سے مسجد گونجتی تھی وہ نمازی اب کہاں
کالجی تدبیر ہے تفسیر کا کس کو خیال　　فکر روزی ہو رہی ہے فخر رازی اب کہاں

دشمن ہیں سب خدا ہی کی رحمت ہے جہاں نواز
دل کو لگا خدا ہی سے لے اپنی آنکھ مُوند
گو لے تو اپر شپ سے وہ برسا سکے بہت
ٹپکا سکے نہ ابر سے پانی کی ایک بُوند

آہ کو یہ گلا ہے گردوں سے　　"موقع سلطنت نہیں ملتا"
میں پریشاں اسی سبب سے ہوں　　گوشۂ عافیت نہیں ملتا
دام دنیا کے خضر ہیں لاکھوں　　رہبر عافیت نہیں ملتا
لالہ صاحب یہاں بہت ہیں مگر　　ثانیِ لاجپت نہیں ملتا

اتنا ہی گذارش کرنا ہے ہر ایک کو اک دن مرنا ہے
ایشور کی خوشی تو پُن میں ہے شیطان ہی ہوگا پاپ سے خوش
بابو تو پرس کے اندر ہیں اور پنڈت محو منتر ہیں
بھگوان نے جیسا جن کو کیا وہ چھاپ سے خوش یا جاپ سے خوش
عیسیٰ نے دلِ روشن کو لیا اور تم نے فقط انجن کو لیا
کہتے ہو کہ "وہ تھے باپ سے خوش" اور تم ہو خالی بھاپ سے خوش
میں خُلق کی حالت جانچوں گا تُو قد کی بلندی دیکھا کر
ہے یہ تو نگاہ اپنی اپنی میں وزن سے خوش تُو ناپ سے خوش
پُر ہول یہ بھک بھک موٹر کی ہے سامعہ پر اک بارِ گراں
واللہ ہمارے کان تو تھے اسپانِ عرب کی ٹاپ سے خوش

گاندھی کو ہے حکومت مطلوب اپنے گھر کی
بیرونِ ملک کا ہو حملہ، تو وہ کریں ردّ

انگلش کو ہے حکومت سے پیچ و تاب ہر دم
منظور یہ نہیں ہے، اسلام میں رہے زد

دنیا سے آج غائب ہے صدق اور مودّت
زائل خلوصِ باطن، ہے پالسی کی آمد

انگریز کر رہے ہیں گاندھی سے جو اشارہ
انگلش سے کر رہے ہیں شیعہ، وہی بلا کد

سنّی بھی ہیں یہ کہہ کر، مائل بتوں کی جانب
یعنی کہ "شیخ کی بھی مسند میں ہے وہی حد

اکبر بھی اس سخن کو کہتا ہے اپنے دل سے
"سب چھوڑ کر جواب ہے، مشتاقِ کنجِ مرقد

وہ بات کیا ہے سن لو، ہر اک جو کہہ رہا ہے
وہ صاف ہے، نہیں ہے کوئی حسابِ ابجد

"شادم کہ از رقیباں دامن کشاں گذشتی
گو مشتِ خاکِ ما ہم برباد رفتہ باشد"

کی تھی پاپوش زنی، جب ہوئی نالش دائر
کہہ دیا "صلح کرو، لیتا ہوں جوتا واپس"

واپسی گو تھی زبانی، ہوئی نالش ڈسمس
ہوگیا کورٹ سے وہ شوخ اچھوتا واپس

منطق بتانِ ہند میں بے کار ہے جناب
آخر کی چاٹ دیجیے، بس جائیں یہ بدل

اظہارِ عشق سے نہ پسیجیں گی بائی جی
ان سے مساس کیجیے، جائیں گی یہ پگھل

اسّی کا قُرب، ضُعف کی شدت، تو کیا شفا
صحت اسے کہوں کہ یہ ہے التوائے مرگ

تاہم خدا کا شکر ہے، دکھ سے ملی نجات
یوں تو نتیجہ زیست کا ہے کیا، سوائے مرگ

مہلت پئے عبادت و توبہ سمجھ اسے
تیار اپنے آپ کو کر لے برائے مرگ

شام کی پیشین گوئی یہ کہ، ہو جائے گی صبح
صبح کی پیشین گوئی یہ کہ، ہو جائے گی شام

صرف شغلِ زندگی ہے، رات دن بحثِ فضول
سب کچھ اس میں آگیا، خاموش رہیے والسلام

ہے مناسب تو یہی، اور بالخصوص اس دور میں
اللہ اللہ ہم کریں، ہندو پکاریں رام رام

امید کا گھر ہے یاد مجھ کو
اس میں میں بھی کبھی رہا ہوں

ہوتی ہے مری مزاج پرسی
شاید اب تک میں جی رہا ہوں

چشم شاعر میں بہت دلکش ہو گو وہ بھی مگر آپ کی آنکھوں کے آگے ذکر نرگس کیا کریں
زور بازو جب نہیں ہو جب نہیں تیغ و تفنگ سرنگوں خامے سے پھر کاغذ پہ گھس گھس کیا کریں

یہ ہو کلام کی خوبی کہ بات ٹھیک کہو مگر میں سچ سے اب اندیشہ ناک رہتا ہوں
زمانہ اب نہیں حضرت یہ خوب کہنے کا اسی سبب سے میں چپ ہوں کہ خوب کہتا ہوں

چیت کی ہو دوپہر جھکڑ ہو وحشت خیز سخت ایک سناٹے کا عالم ہو میں لیٹا ہوں جہاں
دل کو ہر جھونکا ہوا کا کر رہا ہو مضطرب رفتہ روحیں کہہ رہی ہیں "تم کہاں اور ہم کہاں"

مذہب کی پرکھ مسجد و مجلس میں نہیں ہے بازار میں دربار میں دیکھ اُن کے عمل کو
کم اچھے ہیں اکثر وہ ہیں دیکھے اگر اُن کو روباہ فراموش کرے اپنے دغل کو

مذہبی دادا ہر اک کے ہیں جدا مذہبی اللہ سب کا ایک ہے
متحد ہو جائیں بس اللہ پر دل میں سوچیں یہ خیال نیک ہے
جنگ باہم سے ہے راحت میں خلل یہ تعصب اک بڑی مسٹیک ہے
پاک شیرینی جو ہو کر جاؤ نوش کیوں نرکو حلوا ہے یہ یا کیک ہے

خوانِ قبول پر ہیں یہ دونوں چنے ہوئے دونوں ہی کے جناب معظم کفیل ہیں
ہاں ایک کو زیادہ چبانا ضرور ہے لپسی ہے زود ہضم کلیجی ثقیل ہے

ظرافت

خدمت بہت اہم ہے گروہِ پولیس کی پروا کرو کچھ ان کی الاؤنس و فیس کی
رہتے ہی ہیں سینہ سپر انتظام میں ڈر بدمعاش کا نہ مروت رئیس کی
بلووں کی ضرب انھیں پہ پڑا کرتی ہے بہت چوٹیں انھیں پہ آتی ہیں گاندھی کے ٹیس کی
فیاضیوں سے کیجیے کام ان کے باب میں رد کیجیے دلیل مشیر خسیس کی
ہوں سیکڑے حساب میں تب کام کچھ چلے اس وقت کیا بساط ہے پچیس تیس کی

اکبرؔ کی طبع سے یہ ہوا ہو ظہور نظم
لازم ہو قدر قافیہ ہائے نفیس کی

حکومت اور دولت کی جو دے چاٹ / تو بن جائیں گے آخر یہ سیر سے بھاٹ
عداوت مذہبی جو ہو پرانی / ابھار اس کو یہ اندازِ نہانی
مجھے معلوم ہیں نیٹو خصائل / کہاں یہ وحدتِ ملکی پہ مائل
کوئی دادا کو اپنے رٹ رہا ہو / کوئی اک جانور پر کٹ رہا ہو
زباں ہی پر کوئی دیتا ہو یاں جاں / معانی ہوتے ہیں لفظوں پہ قرباں
حقیقت میں یہ سب ہیں شرک آلود / اسی سے تو ہو ان کے سر پہ موجود
کوئی اُن میں سے ایسا خود غرض ہو / کوئی قومی بحث کو سمجھا مرض ہو
غرض ذاتی تو اس کی کر دے پوری / تو ہو منظور اُس کو سب سے دُوری
تو رہ بیدار، اور مصروفِ جسٹس / سمجھ لے بلے اثر نیٹو کی گھس گھس
رواں ہو موجِ مخفی پالسیؔ[1] سے / یہ سرگوشی ہو اُن کی مغربی سے

بھول جائیں گی ترقی خواہیاں لاحول تک / آپ کو تہذیب بیچے گی براز د بُول تک

گھٹے ہوؤں میں جو اس پالسی سے بڑھتے ہیں / زبانِ حال سے گویا یہ شعر پڑھتے ہیں
"بُرائے ما بہ سرِ تختِ خویشتن جا کردی / دلِ حریصِ مرا غافل از خدا کردی"

جوشِ دل کا اب تعلق مجھ سے ہو چھوٹا ہوا / عمر بھی گذری ہوئی ہو دل بھی ہو ٹوٹا ہوا
طعن کی جا رحم لازم ہو تمھیں اکبرؔ پہ اب / وہ تو ہو جورِ فلک کے ہاتھ سے لوٹا ہوا

دنیا بدلتی ہی رہی، اور غل بھی مچا ہی رہا / طاقت اکڑتی ہی رہی، کمزور بچتا ہی رہا
عصیان و تقویٰ میں یہاں، ہر عہد میں ہو کشمکش / شیطان پھنستا ہی رہا، ایمان بچتا ہی رہا۔

؎۱ پالسی کا مخاطبہ مغربی سے۔

منہ اب اس ملک سے دولت کا مُڑا جاتا ہے
انڈیا پر جو ملمع تھا، اڑا جاتا ہے

اب ذرّہ ذرّہ اپنے مرکز سے ہٹ رہا ہے
دنیا سمٹ رہی ہے، ایمان گھٹ رہا ہے

ہے امن کو تنزّل، تعلیم میں ترقی
خندق بھی کھد رہی ہے، کالج بھی پٹ رہا ہے

جو خون تھا ضروری حصّہ دل و جگر کا
اب اور ہی رگوں میں جا جا کے بٹ رہا ہے

ہو یا نہ ہو موثر، اس دورِ آسماں پر
نامِ خدا تو اکبر مدت سے رٹ رہا ہے

تنخواہ بڑھ رہی ہے اور زور گھٹ رہا ہے
موٹر کی ہے اجازت، اور پاؤں کٹ رہا ہے

کامیابی نے کیا شیطان کو موٹا بہت
پہلے ہی کھوٹا تھا وہ، اب ہو گیا موٹا بہت

شاعری نے گو کہ کر دی ہے زباں میری دراز
کر دیا مایوسیوں نے دل کو اب چھوٹا بہت

جی کے لگنے ہی سے ہوتی ہے یہ حالت ظاہر
گاڈ، گاندھی و گورنمنٹ میں تقسیم ہے خلق

گائے کہتی ہے کہ "ہم میں بھی لگاؤ اب جی
گو کہ حاضر ہے سدا راہِ خدا میں میرا حلق"

اس بات میں کیا ضرور ہے بحث و جدال
سن لو دو لفظ بہرِ اظہارِ خیال

پُردہ جن میں ہے، وہ ہیں بانوے حرم
بے پردہ جو ہیں، وہ ہیں ترقّی بیگم

میرا منشا تھا یہی، تہمد ہی کے اندر تنیں
یہ غرض ہرگز نہ تھی پتلون کے کھٹمل بنیں

میانِ دھوتی و پتلون سازنیست
میانِ پردہ ناخنون را زیست

ہندو و مسلم ہیں حیراں دونوں غربی دور میں
شوخیِ اطفال خود سر قابلِ اظہار نیست

جب بلایا ختنے کو، لڑکا یہ کہہ کر چل دیا
کافرِ عشقم مسلمانی مرا درکار نیست

جب جنیؤ کو بلایا، طفلِ ہندو بول اُٹھا
ہر رگِ من تار گشتہ حاجتِ زنار نیست

ہے بلاشک قابلِ اصلاح تعلیمی نظام
اعتراضِ معترض مستوجبِ انکار نیست

قطعاتِ تاریخ

جنابِ[1] حضرتِ مرحوم کی تھی مُلک میں شہرت　　بہت کم ہوتے ہیں جن میں ہو ایسی عظمت و شوکت
اعزّہ اور احباب ان کے سب تھے مدح خواں ہر دم　　نہایت مستقل تھی وضع اُن کی نیک تھی خصلت
بڑا صدمہ ہوا دنیا سے جب کی آپ نے رحلت　　مگر دنیائے فانی کی ہمیشہ ہے یہی حالت
جگہ فردوس میں اُن کو عطا کی حق تعالیٰ نے　　کہی تاریخ خود رضواں نے "لو نصرت علی جنت"

سنہ ۱۳۳۹ھ

شکرِ خالق ہوئے جواں لکّن[2]　　اور نظر آئی صورتِ شادی
پوچھی میں نے عقد کی تاریخ　　بولا "لکھدو ضرورتِ شادی"

سنہ ۱۹۲۱ء

عالمِ بے مثال و مستِ الست[3]　　مثلش ایں جاکسے نبود نہ ہست
داد فتویٰ و رفت از دنیا　　گشت در ماتمش جہاں سر دست
سالِ رحلت ببیں دریں مصرع　　گفت او قولِ حق بہ حق پیوست

سنہ ۱۳۳۹ھ

رضا حسین کہ در علم و فضل داشت کمال　　نکو صفات و عزیزِ جہان و خوش اقبال
ہمیشہ داشت بہ دربارِ شاہ شانِ رفیع　　دلش لطیف و نگاہش بلند و فیض وسیع
سفر چو کرد ز دنیا بہ جانبِ جنّت　　طپید دل ز الم خون شد از غم و حسرت
چو خواستم کہ ز تاریخ ایں شوم واقف　　سوئے بہشت بریں شد شنیدم از ہاتف

سنہ ۱۳۳۹ھ

---

[1] قطعہ تاریخ وفات چودھری نصرت علی صاحب مرحوم رئیس سندیلہ مئی سنہ ۱۹۲۱ء۔ [2] قطعہ تاریخ شادی نواب زادہ لائق علی خاں صاحب عرف لکّن آف پہاسو۔ [3] تاریخ وفات شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحب مرحوم۔

مناجات

خدا سے دعا ہے یہ شام و پگاہ
ہمارے سلامت رہیں بادشاہ
بڑے مہرباں خلق کے خیر خواہ
ہمارے شہنشاہِ عالی گہر　　بڑی عمر پائیں بہ دورِ قمر
خدایا سلامت رہیں بادشاہ
دکھائے سدا فتح اپنا جمال　　سدا خوش رہیں وہ بجاہ و جلال
خدایا سلامت رہیں بادشاہ
جو ہوں سب سے بہتر تری نعمتیں　　وہ ہر لحظہ اُن پر اترتی رہیں
کریں مدتوں سلطنت خلق میں
ہوں حامی ہمارے قوانین کے　　ابھاریں دلوں میں یہی زمزمے
ہم آواز و یک دل یہ نعمہ اٹھے
"خدایا سلامت رہیں بادشاہ"

متفرق اشعار

(جو خطوط وغیرہ سے جمع کیے گئے)

عشرتی آج طبیعت مری افسردہ ہے　　دیکھتا ہوں کہ بدن سست ہے دل مُردہ ہے
بات بنتی نہیں، تدبیر بہت ہوتی ہے　　دردِ سر ہوتا ہے، تحریر بہت ہوتی ہے

عشرتی سے مراد [illegible] جناب سید عشرت حسین صاحب مرحوم کی درخواست اور فرمائش [illegible] کو ایسی چیزوں سے متعلق دلچسپی نہ تھی۔

اس سے پہلے سال بھر میں ہوتی تھی اک بار عید
عشرتی کے خط سے اب ہوتی ہے ہر اتوار عید

محو۱؎ تھا زلفِ بتاں کا خبر اکبر کو نہ تھی
ناگری کو بھی کرے گی یہی ناگن پیدا

شمع۲؎ کے گل ہوتے ہی پروانے راہی ہو گئے
دفعتاً کیا تھا سماں انجمن کیسا ہو گیا

نہ انگریزی کا چرچا ہے نہ ترکی ہے نہ تازی۳؎ ہے
مگر اس کی مسرت ہے کہ یاں گھر بھر نمازی ہے

اے خضر مری راہ تو بس راہِ جنوں ہے
منزل کو غرض ہو تو خود اس راہ پہ آئے

مصروف۴؎ ہیں حضور یہ کس بند و بست میں
اپریل کی بہار نہ ہو گی اگست میں

سید عشرت حسین پیارے
خالق تمھیں ہر طرح سنوارے

اے جانِ پدر! مری دعا لو
آنکھوں سے یہ خط مرا لگا لو

اظہارِ ادب ہے حسنِ فرزند
خالق رکھے گا تم کو خورسند

تحریر تمھاری میں نے پائی
صدمہ بھی ہوا ہنسی بھی آئی

صدمے کا سبب فراقِ عشرت
ہنسنے کا سبب مذاقِ عشرت

عشرت منزل میں نور تم سے
سب کے دل میں سرور تم سے

یا دھن تھی کہ میں یہیں رہوں گا
یا دھن ہے یہاں نہیں رہوں گا

گو طبع کا انتشار ہے یہ
بچپن کی مگر بہار ہے یہ

طفلی ہے تمھاری تم کو کافی
لغزش ہے یہ قابلِ معافی

۱؎ (زلفِ بتاں کی تشبیہ ناگن سے ہے اور بتاں کے لفظ سے ہند کی تخصیص ظاہر ہے۔) حضرت اکبر فرماتے ہیں کہ اس شعر میں ایک لطف یہ ہے کہ اگر کوئی مجھ سے پوچھے کہ یہ آپ کا مقطع ہے تو میں کہہ سکتا ہوں کہ نہیں، یہاں اکبر سے مراد شہنشاہ اکبر ہے جو ہنود کا بڑا دوست تھا۔ ۲؎ یہ شعر حضرت اکبر نے پیریاواں میں کہا تھا۔ ۳؎ عربی۔ ۴؎ ایک بوڑھا آدمی اپنا سنگار کر رہا تھا، جوان بننا چاہتا تھا۔

بے شک تم اُداس ہو گے گھر پہ — مفقود ہے واں یہاں کا منظر
سبزہ کہاں، کہساں یہ جنگل — کہسار کہاں، کہساں یہ بادل
یاں آہو و دشت و بلبل و باغ — واں کوشک و موش و مطبخ و زاغ
یہ سیر و شکار واں کہاں ہے — جھانسی کی بہار واں کہاں ہے
ہے اس کے علاوہ اک خیال اور — بے شک ہے وہ بات قابلِ غور
ہنگامۂ شہر آرزو خیز — بچوں کے لیے ہے فتنہ انگیز
کہتا ہوں میں صاف صاف تم سے — کرتا نہیں اختلاف تم سے
بہتر یہی ہے، رہو مرے پاس — تہذیب کی آئے تم میں بُو باس
انگریزی سوسائٹی کو دیکھو — میز کی ویرائٹی کو دیکھو
کھیلو جنگل میں گوئے و چوگاں — طاقت صحت کی ہو نمایاں
صحت ہی کا ہے جہاں میں شور — ہے جسم قوی، تو دل میں ہے زور
گھوڑے کی سیکھ لو سواری — ہے شرم، رہو جو اس سے عاری
گو دل پہ تمھارے ہوگا یہ جبر — لیکن چندے ابھی کرو صبر
جم کر جو کہیں قیام ہو جائے — یکجائی کا انتظام ہو جائے
کلکتے سے آگئی ہے بندوق — رکھا ہے بجنسہ وہ صندوق
محصول اور کارتوس اور کاٹھ — دینے پڑے دام تین کم ساٹھ
انشاء اللہ یاں جب آنا — جنگل میں نشانہ آزمانا
گھبرایا ہوں بلکہ ہول خدا سے — طالب ہوں مدد کا میں فقط سے
اب فضلِ خدا سے صاف ہے نبض — رہتا ہے مگر کسی قدر قبض

[illegible] صاحب مرحوم کو جھانسی سے بھیجا
[illegible]

گو وہ[1] آنے کی نہیں پھر کر عدم آباد سے — شدّتِ غم میں کسی اسپیچ کا موقع کہاں
دل ہے روشن لیکن اُن کی نیکیوں کی یاد سے — آہ نکلی ہے یہ اک قلب الہ آباد سے

دنیا کو مسرّت دلی ہے — ملکۂ قیصر[2] کی جوبلی ہے
گُل فرطِ مسرت سے کھل پڑے ہیں — غنچوں سے صبا گلے ملی ہے

گھبراؤ نہ اس درجہ تم اللہ کے بندو — سنہ ایک چلا، یوں ہی گذر جائے گا[3] سنہ دو

سیر دنیا چھوڑ کر بیٹھے کتب خانے میں آپ — اس کے معنی بس یہی ہیں، عقل کم باتیں بہت
اپنے آنسوؤں کو کہا میں نے "نئی بارش ہے یہ" — بولے وہ "دیکھی ہیں میں نے ایسی برساتیں بہت"

آگیا ماہِ اگست، اے یار جولائی گئی — رنگ دنیا ہے یہی، جو چیز یاں آئی گئی

ہیں وطن میں ہاشمی، عشرت ولایت میں نہاں — تفرقہ یہ دیکھیے طفل و جوان و پیر میں

فصلِ سرما ہے، بہارِ گرمیِ حمام ہے — بارشِ ابرِ کرم کا منتظر[4] حجام ہے

ملا ہے ہم کو یہ مضمونِ روشن چشمِ بینا سے — کہ چھوڑی جس نے خود بینی اُسے سب کچھ نظر آیا

اٹھے[5] رو سے تو صبحِ عید اکبر — عشرت سحرِ امید اکبر

---

۱ ملکۂ معظمہ کی وفات پر میوہال الہ آباد میں زیرِ صدارت سر آرتھر اسٹریچی، چیف جسٹس جلسۂ تعزیت ہوا تھا مسلمانوں کی طرف سے حضرت اکبر نے تقریر کی اور یہ دو اشعار بھی پڑھے۔ اس میں خوبی یہ ہے کہ "الٰہ آباد" اس کا قلب ہوا "آہ" اس سے آہ پیدا ہوتی ہے، اور قلب کے معنے اُلٹنے کے بھی ہیں۔ ۲ علی گڑھ دربار میں جب سید عشرت حسین صاحب (مرحوم) پانچ سال کے تھے تو سر سید احمد خاں مرحوم کی گود میں یہ دو اشعار جوبلی کے موقع پر پڑھے تھے۔ ۳ بمقام پیاداں یہ شعر کہا گیا۔ عشرت حسین صاحب (مرحوم) ولایت ہی میں تھے، اور سب اُن کی آمد کے مشتاق تھے! اس موقع پر یہ شعر ارشاد ہوا۔ ۴ مطلب اصلی یہ ہے کہ خود بھی حالات دنیا کو دیکھنا اور ان پر غور کرنا ضرور ہے نہ یہ کہ صرف اوروں کے خیالات کا ہو رہے شوپن ہار کا بھی یہی فلسفہ ہے۔ ۵ سنہ ۱۸۷۲ء میں بہ فرمائش عبداللہ حجام جب حضرت اکبر حمام میں بغرض غسل تشریف لے گئے تھے۔ ۶ ۲۶ دسمبر سنہ ۱۹۰۱ء کو جو خط ولایت عشرت صاحب کے نام لکھا تھا، وہ یوں شروع کیا تھا۔

بسلطان کو سالِ[1] نو مبارک　　دہقان کو کشتِ جَو مبارک
پیارے عشرت کو طبعِ روشن　　خورشید کو اس کی ضو مبارک

عشرتیؔ[2] تم کو نیا سال مبارک ہووے　　سیرِ لندن کی بہر حال مبارک ہووے
ہو مبارک تمھیں تحصیلِ علوم و دانش　　صحبتِ یارانِ خوش اعمال مبارک ہووے

دوائیں یوں تو بہت کھائیں ہمنشیں ہیں نے　　گیا بخار، تو آخر کُنین ہی سے گیا

پھلو پھولو گلستانِ جہاں میں　　رہو دل شاد بزمِ دوستاں میں

ہمارے دل کا بس اب وہ بت دل خواہ مالک ہو　　رہی جان اُس کی کچھ پروا نہیں اللہ مالک ہو

الٰہی در جہاں باشی بہ اقبال　　جواں بخت و جواں دولت جواں سال

اے عشرتِ عالی گہر لختِ جگر نورِ نظر　　دیدِ چشمِ شوقِ من روشن تر از شمس و قمر

مئے گلرنگ[3] سے لبریز رہیں جامِ سفید　　چشمِ بدبیں کو کرے گردشِ ایام سفید

یہ دیکھو آج بھونرا گا رہا ہے　　گل و لالہ کا موسم آ رہا ہے
خبر فصلِ بہاری کی ہے لایا　　اگر سمجھو، تو بھگوا اُس نے گایا

---

[1] یکم جنوری سنہ ۱۹۰۲ء کا خط یوں شروع ہوتا ہے اور پھر لکھتے ہیں کہ "یہ شعر ابھی ابھی موزوں ہو گئے آئندہ اضافہ و اصلاح کی گنجائش ہے۔"

[2] ۹ جنوری سنہ ۱۹۰۲ء کے خط کے شروع میں یہ اشعار تھے۔

[3] حضرت اکبر فرماتے ہیں کہ "مئے گلرنگ" سے مراد شامپین وغیرہ شراب نہیں ہے، بلکہ اصلی خالص اخلاقی اور روحانی مسرتیں

کتبہٗ حافظ محمد ابراہیم عفی عنہ، ایم مسلم بورڈنگ ہاؤس یونیورسٹی الہ آباد۔ اگست سنہ ۱۹۴۳ء

اقبال بہ اکبر

یہ کتاب ترجمانِ حقیقت حضرت اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے اُن چند بیش بہا خطوط کا مجموعہ ہے جو اُنھوں نے حضرت اکبر الٰہ آبادی علیہ الرحمۃ کو وقتاً فوقتاً لکھے تھے۔ حضرات کاتب و مکتوب الیہ کی جہاں گیر شہرت، ان کی باکمال شخصیتوں کی عظمت اور انکے ملفوظات کی محبوبیت اس ذخیرے کی اہمیت کی ضمانت کے لئے کافی و وافی ہے۔

نبیرۂ اکبر جناب مسلم رضوی صاحب کے دیباچے کے بعد پروفیسر نعیم الرحمٰن نے خطوط کی تقریب کی ہے اور آخر میں قابلِ قدر تعلیقات دیئے ہیں جن سے مضامین کی وضاحت میں نہایت گراں بہا مدد ملتی ہے۔

اقبالیات اور اکبریات کے قدردانوں کے لئے یہ کتاب ہر لحاظ سے ایک نفیس تحفہ اور اقبال فہمی کے لئے ایک ناگزیر دست آویز ہے۔

ناشرین

کتابستان

کراچی

عورت نامہ

(از اکبر الہ آبادی)

انسانی معاشرت میں عورت ذات کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔ وہ ہر جگہ، ہر موقع، ہر شکل و صورت میں مرد کی شریک و دمساز ہے۔ اسی کے دم سے معاشرت کا وجود قائم ہے۔ جنس، خلقت اور فطرت کے لحاظ سے عورت کا حقیقی منصب کیا ہے؟ اس کی صحیح حیثیت کیا ہے؟ اس کا دائرہ عمل کیا اور کہاں ہے؟ اُسے مرد کے اعمال و افکار میں کیا اور کس قدر دخل ہونا چاہیئے؟ یہ سب وہ مسائل ہیں جو انسانی تمدن کے آغاز سے آج تک زیر بحث ہیں۔ مختلف اقوام کے ہادیوں اور مصلحوں نے مختلف اوقات میں ان مسائل کو مختلف طور پر حل کیا ہے اور مختلف راستے دکھائے ہیں۔

اکبر الہ آبادی نے عورت کی ذات شخصیت اور فطری قابلیت کے لحاظ سے، بالخصوص ہندی اور مسلم حیثیت سے عورت ذات کے اعمال و افکار اور معاشرت میں اس کے صحیح درجے اور مقام کو جس طرح سمجھایا ہے، اور ان مسائل میں اُن کی جو کچھ سنجیدہ اور پختہ رائے ہے "عورت نامہ" انہیں خیالات اور راؤں کا آئینہ ہے۔ اس میں مطلق شبہ نہیں کہ حضرت اکبر کے یہ پُر مغز افکار ہمارے غور و فکر کے طالب ہیں۔ یہ بصیرت افزا مجموعہ کلام اب زیر ترتیب و طبع ہے۔ کتاب آرٹ کاغذ پر بلاک میں نظر فریب طور پر طبع ہوگی۔ اور ہدیہ و تحفہ کے لئے بہترین چیز ہوگی۔

ناشرین

کتابستان

کراچی

گاندھی نامہ

(از اکبر الہ آبادی)

حضرت اکبر الہ آبادی کا کلام کلیات کی چار جلدوں میں شائع ہوکر اہل علم و ذوق سے تحسین کا خراج اور سخنوری کی داد لے چکا ہے۔ لیکن یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ اتنے ہی پر ورق تمام ہوکر قلم بھی ٹوٹ چکا ہے۔ شاعر مغفور کے متعدد شعری الہامات اب بھی بستوں میں تبرکات کی صورت میں موجود اور طبع و اشاعت کے منتظر ہیں۔ انہیں میں سے ایک "گاندھی نامہ" ہے جو اب پہلی بار شائع ہوا ہے۔

یہ مجموعہ ایک مخطوطے سے نقل کیا گیا ہے جو خود حضرت اکبر کے قلم کا مرتب کیا اور لکھا ہوا ہے۔ یہ نام بھی خود جناب مصنف ہی کا تجویز کیا ہوا ہے۔

حضرت لسان العصر کے یہ افکار و خیالات جس خوبی اور کمال کے ساتھ ہمارے آج کے اہل عصر کے افکار و خیالات کی آئینہ داری کرتے ہیں۔ اس کی داد طلب کی محتاج نہیں ہے۔

قیمت چار روپے آٹھ آنے

ناشرین

کتابستان

کراچی